امت کی حالت زار پر

دردمند صوفی کے احساسات اور اس کا لائحہ عمل

محمد موسیٰ بھٹو

سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
۴۰۰۔ بی لطیف آباد نمبر۴۔ حیدرآباد

ابتدائیہ

(مولانا محمد رمضان مھیری)

حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب ایک عرصہ سے مختلف محاذوں پر استقامت سے کام کررہے ہیں۔ سندھی زبان میں ترقی پسندی، الحاد و دہریت اور قوم پرستی کی طاقتور تحریک کے مقابلہ میں انہوں نے مؤثر لٹریچر تیار کیا ہے، اس سلسلہ میں ۲۳ سال سے ماہانہ رسالہ بھی شایع کررہے ہیں۔ سندھ کے ترقی پسند، سیکولر اور قوم پرست حلقوں میں ان کا نام اپنے سب سے بڑے حریف کی حیثیت سے لیا جاتا ہے۔ لیکن ایسا حریف، جو اپنی بات کو دلائل، سلیقہ اور مہذبانہ طور پر پیش کرنے کی صلاحیت کا حامل ہے۔

موصوف نے اسلامی دنیا میں پچھلے سو سال میں پیش ہونے والے اسلامی فکر پر بھی کافی کتابیں تصنیف کی ہیں، جس سے جدید اسلامی فکر کی نوعیت، اہمیت اور اس کے صحتمند وکمزور پہلوؤں کو سمجھنے کی بہتر اور مؤثر صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ اس موضوع پر حافظ صاحب نے جو کام کیا ہے، وہ اہم کام ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ حافظ صاحب نے جدید دور میں تصوف کی اہمیت، اس کے خدوخال اور باطنی اصلاح کے لئے اس کی ضرورت کے موضوع پر دو درجن سے زائد کتابیں لکھی ہیں۔

ان میں سے بیشتر کتابیں جدید اسلوب میں لکھی گئی ہیں، جن میں تصوف پر دور جدید کے افراد کے اشکالات واعتراضات کے ازالہ کی بہتر طور پر کوشش کی گئی ہے، تصوف کے موضوع پر حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کی تیار کردہ کتابیں تصوف کے لٹریچر میں اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں، اس لئے کہ ان کتابوں میں جدید انسان کی جدید ذہنیت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب کی زیر نظر کتاب اہم کتاب ہے۔ کتاب کا نام دیکھکر یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ کتاب میں جدید دور کے اسلام بیزار یا جدید دور کے روایتی مالدار صوفی کی تصویر کشی کی گئی ہوگی، لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ کتاب میں جدید دور کے مثالی صوفی کے ادائیں، اس کے جذبات واحساسات، معاشرہ کی تبدیلی کے سلسلہ میں اس کی فکرمندی، اس کے اہداف وخصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ حافظ صاحب کو اپنے روحانی استاد حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰؒ کی برسوں تک صحبت کا موقعہ ملا، دوسرے صوفیاء سے بھی ان کا گہرا تعلق رہا، صوفیاء کی زندگی کے جو نقوش وخطوط اور جو جذبات واحساسات انہوں نے محسوس کئے اور ان کی دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی جن صداؤں کو انہوں نے دل کی گہرائیوں میں محسوس کیا، کتاب میں موصوف نے جدید صوفی کے انہی نقش ونگار کو اجاگر کرکے، ہمیں اس راہ پر گامزن کرنے پر اکسانے کی کوشش کی ہے۔

میرا حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب سے لگ بھگ پچھلے تیس سال سے گہرا تعلق رہا ہے۔ ہر دو تین ماہ میں ان کے ہاں آنا جانا رہا ہے۔ میں نے برسوں تک ان کی حالت اضطراب کو دیکھا ہے اور اب ان کی حالت صحو کو بھی قریب سے دیکھا ہے، اس وقت بھی ان کے پڑھنے لکھنے سے تعلق خاطر کی یہی حالت تھی، اب بھی وہ پڑھنے لکھنے سے جنوں کی حد تک تعلق رکھتے ہیں۔ اگرچہ پڑھنے لکھنے کے کام میں فنائیت کی اس ادا نے ان کی صحت کو بُری طرح متاثر کیا ہے اور انہیں شدید ذہنی واعصابی تھکاوٹ سے دوچار کر دیا ہے۔ لیکن وہ اس کام سے دستکش ہونے کے لئے تیار نہیں، اس علمی ودعوتی کام کو انہوں نے اپنی زندگی کے مشن کی حیثیت دی ہوئی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس کام کو قبولیت کا شرف بخشے اور ہمیں ان کے اس علمی کام سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۵ نومبر ۲۰۱۵ء

تعارف

امت کی حالت زار پر اخبارات ورسائل میں اہل علم واہل دانش کے تجزیے شایع ہوتے رہتے ہیں۔ بعض تجزیے بڑے اہم اور قیمتی ہوتے ہیں۔ جن سے بہتر طور پر استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس معاملہ میں صوفی کا نقطہ نگاہ تفصیل سے سامنے نہیں آیا ہے، اگر آیا بھی ہے تو جدید اسلوب سے سامنے نہیں آیا۔

ان سطور کے راقم نے ۲۲ سال تک مختلف صوفیاء کرام کی صحبت اختیار کی، اس دوران امت کے حالات ومسائل، اور اس کی حالت زار کے بارے میں ان کے جذبات واحساسات اور ان کے نقطہ نگاہ کو دل کی گہرائیوں سے سمجھنے کا موقعہ ملا، زیر نظر کتاب دراصل انہی صوفیاء کے جذبات واحساسات کی ترجمانی کے طور پر لکھی گئی ہے۔

امت کی حالت زار پر کڑھتے رہنا اور اس کے لئے فکرمند ہونا، اس دور میں اس کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ یہ دردمند مسلمان ہونے کی ایک علامت ہے، لیکن اس سلسلہ میں صوفی کا درد ایسا ہے، جو بے پناہ ہے اور حقیقی نوعیت کا درد ہے، صوفی کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ امت کی حالت زار، اس کا بڑھتا ہوا زوال اور اس کے سارے مسائل ایک ہی خرابی سے پیدا ہوئے ہیں، وہ خرابی اپنی پاکیزہ اخلاقی اور تہذیبی قدروں سے دوری اور انسان کی خودشعور ہستی کی جذبات محبت کی عدم تسکین کی خرابی ہے۔ جب انسان کی خودشعور ہستی، مطلق خودشعوری ذات سے دور ہوتی ہے تو وہ شدید اذیت کا شکار ہوتی ہے، خودشعور ہستی اپنی اذیت کا یہی احساس، دل، دماغ اور نفسیات کی طرف منتقل کرتی ہے، جس سے انسانی شخصیت سراپا اضطراب اور سراپا مسائل کا شکار ہوجاتی ہے۔ فرد وافراد اور معاشرہ کے سارے مسائل انسانی خودشعور

ہستی کے اس اضطراب ہی سے پیدا ہوئے ہیں۔

خودشعور ہستی کی بیماری سے ہی معاشرہ بیمار ہوجاتا ہے اور بیمار معاشرہ اس قدر کمزور ہوتا ہے کہ اس میں مخالف طاقتوں کے خلاف مزاحمانہ قوت کی استعداد باقی نہیں رہتی۔

جس طرح مادی جسم کو مادی غذائیں طاقتور بناتی ہیں،اسی طرح خودشعور ہستی کو خودشعور مطلق ہستی کا ذکر طاقتور بناتا ہے۔ ذکر سے جب فرد کی خودشعور ہستی طاقتور ہوتی ہے تو اس میں خودشعور مطلق ہستی کے اوصاف پیدا ہوجاتے ہیں، جس سے وہ طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ ناقابل تسخیر بھی ہوجاتی ہے۔

فرد اور افراد کو درپیش سارے مسائل، سارے بحران اور سارے مفاسد دراصل انسان کی خودشعور ہستی کی بیماری وکمزوری کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی بیماری وکمزوری کا علاج خودشعور مطلق ہستی کے ذکر، مخلصانہ عبادت واطاعت کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اس سے بندہ مومن میں وہ توانائی پیدا ہوجاتی ہے، جس سے وہ اپنے سارے مخالفین سے صف آرا ہوکر،ان کو مطیع کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ ان مخالفین میں باطل کی داخلی قوتیں ہوں یا خارجی قوتیں، خودشعور ہستی، مطلق خودشعور ہستی کی مدد ونصرت سے ان سے نبردآزمائی کرکے، طاقت حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔

اس طرح امت کی حالت زار تبدیل ہوکر دوسری قوموں اور گروہوں کے سامنے وہ مثالی کردار کے ساتھ پیش ہوتی ہے۔ اور اپنے پاکیزہ کردار سے دعوت کا زندہ نمونہ بھی بن جاتی ہے۔

صوفی کی نظر میں امت کی حالت زار کا بنیادی سبب یہی ہے کہ وہ اصل توانائی سے محروم ہے، افراد امت کی روح شدید کمزور ہے اور وہ موت کے سے

حالات سے دوچار ہے، جب جسم موت سے دوچار ہوتا ہے تو اسے قبر میں دفنا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب روح، ذکر اور مخلصانہ عبادت سے محرومی کی وجہ سے موت کے سے حالات سے دوچار ہوجاتی ہے تو روح کی یہ مردگی افراد ملت کو موت کے سے حالات سے دوچار کردیتی ہے۔

امت کی نئی زندگی اور طاقتور زندگی کی صورت یہی ہے کہ وہ مطلق خودشعور ہستی سے تعلق مستحکم کرکے نئی طاقتور زندگی حاصل کرے۔صوفی کا یہی وہ پیغام ہے، جو وہ امت کو دیتا ہے۔

زیرنظر سطور میں صوفی کے اس پیام کو نکتہ وار صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔بعض نکات میں تکرار محسوس ہوتا ہے، جس کے لئے راقم سطور معذرت خواہ ہے۔

ابتدا میں کتاب کا نام ''عصر حاضر کا صوفی اور اس کے اہداف'' رکھا گیا تھا، لیکن بعد میں ساتھیوں کے مشورے سے اس کا نام تبدیل کرکے ''امت کی حالت زار پر دردمند صوفی کے احساسات اور اس کا لائحہ عمل'' رکھا گیا ہے۔

اللہ کرے معاشرہ کے جدید طبقات، عصر حاضر کے صوفی کے احساسات وجذبات کو سمجھنے اور امت کے بڑھتے ہوئے زوال کے سلسلہ میں اس کے نقطہ نگاہ کو ٹھنڈے دل سے پڑھنے کے لئے تیار ہوں۔ اس سے نفع اٹھانا تو دوسرے مرحلہ کی بات ہے۔ پہلے مرحلہ پر اگر اس طرح کی کتابوں کو سنجیدگی سے پڑھنے کی صورت پیدا ہو تو یہ بھی غنیمت ہے۔

۲۶ نومبر ۲۰۱۵ — **محمد موسیٰ بھٹو**

عصر حاضر کا صوفی

اور امت کے مسائل کے سلسلہ میں اس کے احساسات کی ترجمانی

(۱) صوفی اپنی انا کو مات دے چکا ہوتا ہے، یعنی وہ اپنے بڑے اور افضل ہونے اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کی نفسیات سے نجات حاصل کر چکا ہوتا ہے۔

(۲) صوفی دنیا اور سامان دنیا کی محبت کو دل سے نکال چکا ہوتا ہے۔ اس کی زندگی مادی دنیا کی رونق اور چمک دمک سے محفوظ ہوتی ہے۔

(۳) صوفی دینے سے زیادہ نہ دینے سے خوش ہوتا ہے، یعنی دوست واحباب کی طرف سے اسے جو ہدایا وغیرہ دیئے جاتے ہیں، یا اس کے ساتھ جو مالی تعاون وغیرہ ہوتا ہے، اس کا دل اس عطا سے زیادہ عدم عطا سے خوش ہوتا ہے۔

(۴) وہ احسان کرنے والے کو اپنی دعاؤں میں زیادہ یاد رکھتا ہے اور اس کے لئے اس کے جذبات زیادہ محبت آمیز ہوتے ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ اس احسان کے بدلہ میں اس سے زیادہ احسان کیا جائے۔

(۵) صوفی کو اپنی ذات کے لئے غصہ نہیں آتا، جہاں حمیت دین کا مسئلہ ہوتا ہے، وہاں وہ حکمت وسلیقہ سے اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔

(۶) صوفی میں افراد کی غیر مہذبانہ حرکتوں سے چڑ پیدا نہیں ہوتی، البتہ طبیعت کی نفاست کی وجہ سے اس کی طبیعت میں گرانی ضرور پیدا ہوتی ہے، اس گرانی کا وقفہ بھی مختصر ہوتا ہے۔

(۷) صوفی اللہ کی شان عظمت کے احساس کے دبے تلے رہنے کی وجہ سے اللہ کے بندوں میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ سیاہ کار سمجھتا ہے۔ اور اللہ سے سب سے زیادہ خائف رہنے لگتا ہے۔ اسے اپنے اعمال اس قابل ہی نظر نہیں آتے

کہ وہ اللہ کے حضور پیش ہوسکیں۔

(۸) صوفی دولت جمع نہیں کرتا، اس کے معاملات اکثر توکل پر چلتے ہیں۔

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ.

(۹) صوفی اللہ کے مخلوق کی دینی اور دنیاوی حالت زار پر کڑھتا رہتا ہے۔

(۱۰) صوفی کی ساری فکر اور ساری جدوجہد اللہ سے ملاقات اور آخرت کے حوالے سے ہوتی ہے، اس سلسلہ میں اس کی کاوش میں جتنا زیادہ اضافہ ہوتا ہے، اسی قدر وہ محسوس کرتا ہے کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔

اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اللہ سے ملاقات میں مزید وقفہ ہو، تاکہ وہ اس سلسلہ میں مزید کاوش کرسکے اور اس کی تیاری کے لئے مزید کاوشیں کرسکے۔

(۱۱) صوفی رضا بالقضا کا حامل ہوتا ہے۔ وہ ہر طرح کے حالات میں اللہ کی رضا پر راضی ہوتا ہے۔ اللہ اسے جس حال میں بھی رکھتا ہے، وہ صبر وشکر کے ساتھ اسی حال میں رہتا ہے۔

البتہ بشری کمزوریوں کی وجہ سے ابتلا وآزمائش کے مواقع پر وہ دعا کا سہارا لیتا رہتا ہے۔

(۱۲) صوفی کی جدوجہد کا ہدف ضروری دینی علم کے بعد معرفت کا علم ہوتا ہے، جس سے نفس مہذب ہوتا ہے، وہ آداب انسانیت سے آشنا اور اپنے رب کی عظمت سے سرشار ہوتا ہے۔

صوفی جب تک معرفت کے اس علم میں قابل ذکر مقامات طے نہیں کرتا، اسے دوسرے علوم وفنون سے طبعی مناسبت پیدا نہیں ہوتی۔

(۱۳) صوفی کی بڑی آرزو یہ ہوتی ہے کہ اسے ایسے افراد حاصل ہوں، جو اللہ کی محبت میں مستقل مزاجی سے چلیں اور پھر انسانیت کو آداب انسانیت سے آشنا کرنے کے کام کو اپنا ہدف زندگی بنائیں۔

(۱۴) صوفی یہ دیکھکر بہت رنجیدہ ہوتا ہے کہ ہزاروں انسانوں کی آبادی میں دوچار افراد بھی ایسے نہیں نکل آتے، جو اللہ کی محبت اور نفسی قوتوں کو پامال کرنے کے لئے غیر معمولی مجاہدوں کے لئے تیار ہوں اور اس کام کو دوسرے سارے کاموں پر فوقیت دیں۔اللہ محبوب سے لوگوں کی یہ بے اعتنائی وبے نیازی صوفی کو خون کے آنسو رلا دیتی ہے۔

(۱۵) صوفی قال سے زیادہ حال کا صاحب ہوتا ہے۔ حال کا مطلب پاکیزہ کیفیات سے سرشاری، اخلاص وللھیت اور جذبات محبت وخیر خواہی سے بھرپور حالت ہے، یہ صوفی کی سب سے نمایاں خصوصیت ہوتی ہے۔ اس کی زندگی عمل ہی سے عبارت ہوتی ہے۔ وہ دوسروں میں بھی پاکیزہ عمل کی روح پیدا کرنا چاہتا ہے۔

(۱۶) صوفی سراپا محبت ہوتا ہے، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس کا وجود محبت کے آٹے سے ہی گوندا گیا ہے۔محبت سے سرشاری کی یہ نعمت اسے طویل عرصہ تک نفس کا ہمالیہ پہاڑ طے کرنے کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے، اس کی نظر میں محبت ہی بیشتر مسائل کا حل ہے، اس لئے وہ معاشرہ میں محبت کے فروغ پذیری کا ذریعہ بنتا ہے۔

(۱۷) صوفی اپنوں اور غیروں سب سے یک طرفہ طور پر محبت کرتا ہے، وہ محبت ہی کو فاتح عالم سمجھتا ہے۔ اس کی نظر میں معاشرہ کا سارا فساد حقیقی محبت کے رخصت ہونے کی وجہ سے ہی پیدا ہوا ہے۔

(۱۸) صوفی اسلامی شریعت پر مستحکم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس کی حساسیت قابل دید ہوتی ہے، اس کی ساری زندگی شریعت ہی سے عبارت ہوتی ہے، نفسی قوتوں سے طویل عرصہ تک معرکہ آرائی کرتے رہنے کے نتیجہ میں اسلامی شریعت اس کے لئے آسان کردی جاتی ہے، بلکہ وہ اس کے مزاج کا حصہ بن جاتی ہے۔

(۱۹) صوفی کا علم مشاہداتی ہوتا ہے ،جو نفس کے مراحل سے گزرنے، دل کی دنیا میں ڈوبئے رہنے اور نفسی قوتوں کو پامال کرنے کے نتیجہ میں اسے حاصل ہوتا

ہے۔ یہ علم قرآن وسنت کی گہرائیوں سے عبارت ہوتا ہے۔ ایسا علم، جو فرد کو صالح عمل پر نہ ابھار سکے۔ حب جاہ وحب مال سے نہ بچا سکے، صوفی کی نظر میں یہ علم نہیں، بلکہ فن ہے۔ اور بے روح الفاظ کو رٹنے کے مترادف ہے۔

(۲۰) صوفی کی زندگی، نفس کے خلاف مجاہدوں سے سرشار ہوتی ہے۔ حالت توسط میں (جو برسوں پر پھیلا ہوا ہوتا ہے، اس کے مجاہدے غیر معمولی ہوتے ہیں۔ ان مجاہدوں کے بعد جب وہ حالت صحو وحالت بقا میں آتا ہے تو عام طور پر اس کا اعصابی نظام اضمحلال کا شکار ہوتا ہے (نفس کے خلاف طویل عرصہ کی معرکہ آرائی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے) اس کی وجہ سے آخر میں اس کے ذکر وفکر کے مجاہدے کم ہوجاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں جسمانی نظام کی طرف سے ساتھ نہ دینے کی وجہ سے وہ رنجیدہ ہوتا ہے۔ تاہم حالت توسط میں برسوں تک اس کے مجاہدوں کی وجہ سے اس کے ساتھ اللہ کا فضل حال شامل ہوجاتا ہے اور اس کا نفس بڑی حد تک مہذب ہو چکا ہوتا ہے۔ نیز اسے توجہ الی اللہ کا ملکہ بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ اس لئے طبعی رنجیدگی کے باوجود وہ مقصود کے درجہ تک پہنچ چکا ہوتا ہے۔یعنی متوجہ الی اللہ کے ملکہ کے راسخ ہونے اور اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونے کے سلسلہ میں حساسیت کا پیدا ہونا وغیرہ۔

(۲۱) صوفی اپنے بارے میں آداب والقاب وتکلفات سے اذیت محسوس کرتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ ایسی کوئی بات اور معاملہ نہ ہو، جس سے دوسروں کے مقابلہ میں اسے امتیاز حاصل ہو یا اس کی امتیازی حیثیت ظاہر ہو۔

(۲۲) صوفی پر یہ احساس غالب رہتا ہے کہ اللہ کی عبادت کا نہ صرف یہ کہ کوئی حق ادا نہیں ہوا، بلکہ اس کی نیکی کے نامہ اعمال کے مقابلہ میں سیاہ کاری کا پلڑا بھاری ہے،اور اس کی عبادت، ذکر وفکر اور اعمال میں محبوب کی شان کے تحت اخلاص، للھیت وبے نفسی موجود نہیں، کہیں محبوب کی اس ناقدری، اعمال میں اخلاص

کے فقدان اور مجاہدوں میں کمی وکوتاہی کی وجہ سے وہ محبوب کے عتاب کا شکار نہ ہوجائے اور وہ اپنی سیاہ کاریوں کی وجہ سے اس کی ناراضگی اور گرفت کا نشانہ نہ بن جائے۔ یہ احساس صوفی کو اپنے آپ کو محبوب کے سامنے بے خودی کے ساتھ خود سپردگی اور آخری حد تک فنائیت کا موجب بن جاتا ہے۔

صوفی کی یہی وہ ادا ہے، جس کی وجہ سے وہ نوازا جاتا ہے اور قربِ مزید کے مقامات پر فائز کر دیا جاتا ہے۔

(۲۳) صوفی، خدمت دین کے لئے مختلف محاذوں پر ہونے والے کاموں کا قدرداں ہوتا ہے، اس طرح کے کاموں کے لئے اس کی دل کی گہرائیوں سے دعائیں نکلتی ہیں۔

بالخصوص علمائے کرام کی طرف سے قال اللہ وقال الرسول کے تسلسل کو قائم رکھنے کے کاوشوں کو صوفی رشک کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔

نئی نسلوں کو مادیت کے حملوں سے بچا کر، دین کی راہ پر لانے کے کام کو تو وہ سب سے بڑا جہاد سمجھتا ہے،اس کی آرزو ہوتی ہے کہ فروغ دین کے ان کاموں میں کاش وہ کوئی کردار ادا کر سکے۔

(۲۴) موجودہ مادیت پرستی کا ماحول (جس میں صوفی رہتا ہے،جو عالمگیر مادیت پرستی کے ماحول کا شاخصانہ ہے) اس ماحول کی کوئی ایک ادا اور کوئی ایک بات بھی تو ایسی نہیں ہے جو صوفی کے مزاج سے لگاؤ رکھتی ہو اور اس کے ذوق سے مطابقت رکھتی ہو۔

بچوں اور بچیوں کی جدید تعلیمی اداروں میں مخلوط تعلیم سے لے کر مکانات کی آرائش وزیبائش کی روش تک کی ساری باتیں ایسی ہیں، جو صوفی کی تشویش واذیت اور حمیت میں اضافہ کر دیتی ہیں۔

لیکن چونکہ افراد معاشرہ پر دنیا کی زندگی کو خوبصورت سے خوبصورت بنانے کا

جنوں سوار ہے اور دنیا کی زیبائش کی زندگی سے دستبردار ہونے اور اس کی قربانی دینے پر ذہن کسی صورت آمادہ نہیں، اس سلسلہ میں صوفی افراد معاشرہ کی حالت زار پر دکھ واذیت کے احساسات وجذبات پر اکتفا کرنے پر مجبور ومعذور ہوتا ہے۔

آخرت کی زندگی کو دنیا کی زندگی پر ترجیح دینے کی افراد معاشرہ کی یہ عمومی روش صوفی کو خون کے آنسو رلاتی ہے۔

(۲۵) صوفی کی نظر میں موجودہ دور کا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ افراد معاشرہ کو مادیت پرستی کی دوڑ میں شریک ہو کر، اپنی ساری توانائیاں دنیا کی زندگی (جو کل چند دنوں یا چند لمحوں سے زیادہ نہیں ہے) پر صرف کرنے سے بچایا جائے۔ موجودہ حالات میں جب دیندار اور غیر دیندار افراد سب پر مادی زندگی کو خوشحال بنانے کا خبط سوار ہے، اس طرح کے حالات میں ریاست اور معاشرہ کی تبدیلی کا کام تو مثالیت پسندی ہی شمار ہوگا، ان حالات میں جتنے افراد کو بھی مادیت پرستی کے سیلاب میں بہنے سے بچایا جا سکتا ہے، بچانے کی کوشش کی جائے۔

اس سلسلہ میں صوفی حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پورے ریاستی نظام اور پورے معاشرہ کو تبدیل کرنے کے ہدف یا دعویٰ کے ساتھ کام کا آغاز نہیں کرتا، بلکہ وہ لوگوں کو اللہ کی محبت کی طرف بلانے کی دعوت دیتا ہے۔ راہ محبت میں آنے کے نتیجہ میں آہستہ آہستہ افراد کی زندگی میں حقیقی تبدیلی کا عمل شروع ہوگا۔

(۲۶) صوفی پر ایک خاص فضل یہ ہوتا ہے کہ اس کا دل پاکیزہ احساسات کا مرکز بن جاتا ہے، اس کے دل سے پاکیزہ شعائیں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اور اس کے دماغ پر قیمتی نکات کا ورود ہوتا رہتا ہے، جس سے وہ روحانی وعلمی دنیا کو اپنے بے بہا نکات سے فیضیاب کرتا رہتا ہے، اس کے بیان کردہ نکات سے بڑی بڑی الجھنوں سے سلجھاؤ کی صورت پیدا ہوتی رہتی ہے۔

(۲۷) صوفی سلف صالحین کی روایات کا امین ہوتا ہے۔ جدیدیت ومادہ پرستی

کی طوفانی لہروں سے متاثر ہوکر وہ اپنی تہذیبی روایات سے دستکش ہونے یا ان میں لچک اور مصالحت کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہوتا۔

اسے اپنی تہذیبی روایات سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہیں۔ اس کی خاطر وہ اپنی ہر چیز قربان کر چکا ہوتا ہے، اپنی پاکیزہ تہذیب پر صوفی کی استقامت کو دیکھکر، لوگوں کو حوصلہ ملتا ہے اور وہ اس کی صحبت کی برکت سے اپنی تہذیب سے وابستہ ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔

(۲۸) صوفی کو دنیا واہل دنیا سے بے نیازی، باطنی رزائل سے نجات، اسلامی شریعت پر استقامت، شرح صدر ونفس مطمئنہ کی جو دولت حاصل ہوتی ہے، وہ اپنے شیخ کے سامنے پامال ہونے، اس کے مقابلہ میں اپنی شخصیت، اپنی حیثیت، اپنی رائے سے دستکش ہونے،اس سے محبت کرنے اور اس کے سامنے خودسپردگی اختیار کرنے کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ انسانی نفسیات کا بنیادی اصول ہے کہ جب فرد کسی صاحب فضل وکمال شخصیت کے سامنے اپنی شخصیت کو کلی طور پر پیش کر دیتا ہے تو اس سے اس کی نفسیات میں بڑے پن کا آدھے سے زیادہ مرض اسی وقت دور ہونا شروع ہوجاتا ہے۔

(۲۹) صوفی اپنے شیخ کا زندگی بھر ممنون احسان رہتا ہے کہ اس کی صحبت اور اس کے فیوض وبرکات کی وجہ سے وہ اپنی ذات اور معاشرہ کو اپنے فساد کی تباہ کاریوں سے بچانے میں کامیاب ہوا اور شیخ کی مسلسل صحبت سے اس کے دل سے نکلنے والی طاقتور مثبت وصحتمند شعائیں اس کی اصلاح وتہذیب نفس کا ذریعہ ثابت ہوئیں۔

(۳۰) صوفی اپنے جیسے لاکھوں صوفیاء کا یہ تجربہ ومشاہدہ بیان کرتا ہے کہ چھوٹے پن کے مراحل سے گذرے بغیر بڑے پن کے مقام پر فائز ہونے والی شخصیت معاشرہ کو علمی، فکری اور عملی طور پر سلف کی راہ سے جتنا بھی دور کر دے، کم

ہے۔ اس لئے کہ ایسی شخصیتوں میں انا کا بت مستحکم ہونے کی وجہ سے ان کے دل کا رخ صحت وسلامتی سے محروم ہوتا ہے۔ انانیت اور قلب سلیم کی نعمت کی محرومی کی وجہ سے وہ اپنے علم وذہانت کی وجہ سے افراد معاشرہ میں غلط فکری اہداف کو فروغ دینے کا ذریعہ بنتی ہیں۔

انانیت کی خصوصیت ہی حقیقی فہم وفراست سے محرومی ہوتی ہے اس طرح کی شخصیتیں اپنی فکر کے ذریعہ ہزارہا افراد کو انا کی راہ پر گامزن کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ وہ علم ودلائل سے لیس ہوکر یہ ''کارنامہ'' سرانجام دیتے ہیں۔

(۳۱) صوفی کی نظر میں ہزاروں لاکھوں صفحات کے مطالعہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے علمی زعم کی روک تھام کے لئے باطن میں موجود معرفت کے اوراق کا مطالعہ ضروری ہے۔ ورنہ لاکھوں صفحات کا یہ مطالعہ فرد کو بے قابو کرکے، خودسری اور سب کی تکذیب ونفی اور سلف وخلف سب سے جداگانہ راہ اختیار کرنے پر مجبور کرے گا۔ اس طرح لاکھوں صفحات کے مطالعہ کے صاحبان علم اپنی ذات ومعاشرہ کے لئے المیہ بن کر رہ جائیں گے۔

(۳۲) صوفی کی زندگی اور اس کی راہ قرآن وسنت ہی کی راہ ہوتی ہے۔ اس سے مختلف ہرگز نہیں ہوتی۔ یہ الگ بات ہے کہ باطنی صلاحیتوں سے ناآشنا اور علمی زعم کے صاحبان، نور قرآن اور روح قرآن سے عدم فہم کی وجہ سے انہیں صوفی کی زندگی خلاف اسلام نظر آئے۔

(۳۳) صوفی سے ہر شخص اپنی طلب کے مطابق استفادہ کرتا ہے۔ کوئی اس سے دین ودنیا کی سعادتوں کی راہ حاصل کرلیتا ہے، کوئی قریب ہونے کے باوجود اس سے کچھ بھی حاصل نہیں کر پاتا، اس لئے کہ قریب ہونے والا فرد بعض اوقات اس کے ظاہر کو دیکھکر، اسے اپنے جیسا ظاہر پرست سمجھکر، اس کے فیوض وبرکات سے محروم رہ جاتا ہے۔

(۳۴) صوفی روحانی وباطنی نعمتوں سے بہرہ وری کے باوجود اپنے سارے کمالات کی نفی کرتا ہے، عاجزی، فنائیت اور حسن کردار اس کی نمایاں خصوصیات ہوتی ہیں۔

(۳۵) صوفی ایمانیات وعقائد کو فیصلہ کن اہمیت دیتا ہے۔ عقائد سے محرومی یا اس میں بگاڑ کو وہ سارے اعمال کے خسارہ کا موجب سمجھتا ہے۔

اسلامی شریعت اس کا دستور العمل ہوتا ہے۔ احسان وتصوف، اللہ کی محبت اور اس کا استحضار اس کی روح وجان کا حصہ ہوتی ہے، وہ ان تینوں کے مجموعہ کو صحت ایمان ونجات کا موجب سمجھتا ہے۔ اس لئے وہ فساد عقائد سے محفوظ ہوتا ہے۔

اسلامی شریعت اس کا حصار ہوتی ہے۔ باطن کی صفائی اور روح کی لطافت اس کا مشغلہ ہوتی ہے۔

(۳۶) جدید دور میں اجتماعیت، انقلابیت، جہاد وقتال اور ریاست کے خلاف خروج اور جدیدیت سے ہمہ آہنگی کے حوالے سے اسلام کی نئی نئی تشریحات سامنے آئی ہیں۔ اور نئے نئے گروہ وجود میں آگئے ہیں۔ جب کہ صوفی کا ہدف، اور اس کا پیام ایک ہی ہے، وہ ہے معاشرہ میں محبت ورواداری کو فروغ دینا، دلوں سے نفرت، کدورت، شیخی اور حب مال جیسے جذبات کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دینا، مسلم امت کو وحدت کی راہ پر گامزن کرنا، سارے اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کرنا اور افراد کو اسلامی شریعت پر گامزن کرنے کے لئے کوشاں ہونا اور معاشرہ کی اسلامی بنیادوں پر تشکیل وغیرہ کا کام کرنا ہے۔

صوفی کی نظر میں ریاست ومعاشرہ میں موجود سارے فساد کے قلع قمع کی سب سے بہتر ومؤثر صورت یہی ہے، دوسری راہیں ایسی ہیں، جو افراد کو خوبصورت اہداف دے کر، زندگی بھر قیل وقال کی نفسیات میں مبتلا کرنے کے مترادف ہیں، اس طرح زندگی خوبصورت الفاظ کے تکرار میں اس طرح گذر جاتی ہے کہ صالح عمل

اور قوت برداشت کی استعداد سلب ہوجاتی ہے۔ فرد وافراد اصلاح نفس اور اصلاح معاشرہ کے کام سے محروم ہوجاتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں سے کئی سو گناہ زیادہ کام کی فکر میں وقت ضایع کر دیتے ہیں۔

(۳۷) صوفی کی نظر میں دل کی صلاحیتوں کی بیداری کے بغیر محض عقل کے ذریعہ حقیقت اسلام کا فہم حاصل ہونا اور حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنا، صحرا میں پانی کی تلاش میں دوڑتے رہنے کے مترادف ہے، پانی کی کی جدوجہد تو صحراء کی حدود سے نکل کر ہی نتیجہ خیز ثابت ہوسکتی ہے۔ دوسری صورت میں صحرا میں پانی تلاش کرنے کا نتیجہ فرد کی ہلاکت کی صورت میں ہی ظاہر ہوسکتا ہے۔

عقل وعقلیت ہی کو سب کچھ سمجھنے کا نتیجہ بھی یہی نکل سکتا ہے۔ اس سے مختلف نہیں۔ صاحبانِ عقل کی اپنی سلامتی اس میں ہے کہ وہ دل کی زندگی کے احیاء کے کام کو فیصلہ کن اہمیت دیں۔ دل، جو اللہ محبوب کے انوار کا مرکز ہے، اور دل جو قرآن میں موجود نور کے اخذ کا ذریعہ ہے، اس کی بیداری کے کام کی طرف متوجہ ہوں۔

(۳۸) صوفی معاشرہ میں بڑھتی ہوئی مادہ پرستی کی دوڑ اور لادینیت کی تحریک کی روک تھام کے لئے بڑا فکرمند رہتا ہے، لیکن جدید صلاحیتوں کے حامل متحرک افراد کے فقدان کی وجہ سے وہ اس سلسلہ میں فیصلہ کن کردار ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ باصلاحیت افراد یا تو سیکولرزم کے دلدادہ ہوتے ہیں، جن میں سے ایک حصہ کو عالمی ساہوکار اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے۔ باصلاحیت افراد کا ایک بڑا طبقہ ایسا ہے، جس کی جدوجہد روٹی کے حصول کی جدوجہد تک محدود ہے، معاشرہ کے کچھ باصلاحیت افراد ان دینی اداروں وتنظیموں سے وابستہ ہیں، جو غلبہ دین اور انقلاب پر یقین رکھتے ہیں اور ان کی صلاحیتیں اس کام میں صرف ہوتی ہیں۔ لیکن روحانیت کے فقدان، اور بے پناہ نفسی قوتوں سے ناآشنائی کی وجہ سے ان تحریکوں

سے وابستہ باصلاحیت افراد مزاج کے ٹکراو، چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے کشیدگی، ذہنی دباؤ اور خوداعتمادی کے بحران کا شکار رہتے ہیں۔

ان حالات میں صوفی کی نظر میں ریاست ومعاشرہ کو تبدیل کرنے کی صورت تو صرف ایک ہی ہے، وہ یہ کہ اللہ کی راہ محبت اختیار کرکے، خود بھی مستحکم ہوجائے تو معاشرہ کو بھی اسی بنیاد پر مستحکم کرنے کی کاوش کی جائے۔

اللہ کی راہ محبت یعنی آتش عشق میں جلے بغیر نفسی قوتوں سے نجات اور اس کی تہذیب کی صورت کا پیدا ہونا غیر معمولی طور پر دشوار ہے۔ بلکہ بہت سارے صوفیاء کا مشاہدہ ہے کہ ایسا ہونا لگ بھگ ناممکن ہے۔

(۳۹) تصوف پر اپنوں اور غیروں کی ''کرم فرمائی'' صوفی کے لئے بڑی تشویش کا موجب ہوتی ہے۔ اپنوں کی ''کرم فرمائی'' کی ایک صورت تو یہ ہے کہ بزرگوں کی نااہل اولاد کو ان کی مسندوں پر بٹھایا جاتا ہے، جس سے خانقاہت و درگاہی صورت اختیار کر جاتی ہے اور بزرگوں کے مرید وراثۃ اولاد کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔

دوسری ''کرم فرمائی'' یہ ہے کہ تصوف کو دوکانداری کی صورت دی گئی ہے۔ دولت کمانا اور زیادہ سے زیادہ مرید بنانے کی روش خود مقصد بن گئی ہے ''کرم فرمائی'' کی تیسری صورت یہ ہے کہ جن بزرگوں کے ہاں روحانیت کا سسٹم موجود بھی ہے تو ان کی عام افراد تک رسائی مشکل ہے۔ وزیروں سے ملنا آسان ہے، جب کہ ان سے ملنا دشوار ہے۔

کرم فرمائی کی چوتھی صورت یہ ہے کہ کشف وکرامات، اور تصرفات ہی کو تصوف سمجھا گیا ہے یا اسی کو تصوف کا بنیادی ہدف سمجھا گیا ہے۔

غیروں کی ''کرم فرمائی'' یہ ہے کہ تصوف کی روح اور اس کی حقیقت کو سمجھنے اور حقیقی اہل اللہ کے فیض کے فہم کی بجائے تصوف واہل تصوف کو مسترد کرنا، اس کی

اہمیت کا انکار کرنا اور اسلامی تحریک کے لئے اسے افیون قرار دے کر علمی حلقوں کو اس سے دور کرنے کی کاوشیں جاری ہیں، جس سے باصلاحیت علمی حلقوں کے لئے تصوف کی طرف رجوع ہوکر اس سے استفادہ کی راہ مسدود ہوگئی ہے۔

ان حالات میں معاشرہ کو اسلامی بنیادوں پر بدلنے کی فکر رکھنے والے صوفی کی ساری کاوشوں کے باوجود چند افراد کی اصلاح سے زیادہ کام آگے نہیں بڑھتا۔

صوفی بیچارہ اس سے زیادہ مکلّف بھی نہیں ہے۔ وہ اللہ کے ہاں اپنی صلاحیتوں سے زیادہ کا جواب دہ نہیں ہے۔ البتہ دینی جماعتوں، اداروں اور باصلاحیت افراد کا المیہ ہے کہ وہ صوفی سے تہذیب نفس کے سلسلہ میں رجوع نہ ہوکر، اپنے نفسی رزائل سے ملت کے زوال کو روکنے میں ناکامی سے دوچار ہیں۔

(۴۰) ریاست ومعاشرہ کی تبدیلی کے سلسلہ میں صوفی کی حکمت عملی خالص فطری نوعیت کی ہوتی ہے، لیکن دل کی صلاحیتوں سے ناآشنائی اور نفسی قوتوں کے ہولناک فتنہ انگیزیوں کے سلسلہ میں صوفی کی اس حکمت عملی کے عدم ادراک کی وجہ سے اسے اسلام وملت کے لئے ضرر رساں سمجھکر اس کی مخالفت کو وظیفہ بتایا گیا ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ مادیت کے خلاف بند باندھنے کی ساری کاوشیں ناکامی سے دوچار ہیں اور مادیت پرستی، کا سیلاب عام وخاص ہر فرد کے گھروں کے درو دیوار سے ٹکرا رہا ہے۔

صوفی کی حکمت عملی یہ ہے کہ اللہ کی محبت انسانی فطرت کا سب سے طاقتور داعیہ وتقاضہ ہے۔ جب افراد، اللہ کی محبت کی لذتوں سے فیضیاب ہوتے ہیں تو مادیت کی طوفانی لہریں ان سے ٹکرا کر گذر جاتی ہیں، اس لئے افراد معاشرہ کے دین وایمان کے تحفظ کی واحد صورت یہی ہے کہ انہیں اللہ کی محبت کے دائرہ میں لاکر انہیں داخلی طور پر مستحکم کیا جائے، ان کے ایمان ویقین کو اس مقام پر لایا جائے، جہاں مادیت سے نفرت وبیزاری کا مزاج پختہ ہوجائے، امت میں افراد معاشرہ کو

اسلام پر قائم وبرقرار رکھنے کا صدیوں سے یہی طریقہ جاری وساری ہے۔

موجودہ دور میں چونکہ یہ رجحان عام ہے کہ جس چیز کی افادیت عقل کی سمجھ سے باہر ہو، اس کا انکار کیا جائے، چاہے وہ سلف کا تسلسل ہی کیوں نہ ہو، اس ذہنی سانچہ کی وجہ سے تصوف دشمنی اس دور کے مفکروں اور دانشوروں کا وطیرہ رہا ہے۔ اس المیہ پر صوفی غم زدہ ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

(۴۱) صوفی اپنی شخصیت میں مقناطیسی کشش رکھتا ہے، جو عقیدت، محبت اور طلب کے ساتھ اس کے قریب ہوتا ہے۔ وہ اسے مزید کھینچ کر، محبت کے رنگ میں رنگ دینے کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔

صوفی کی شخصیت میں یہ کشش روح کو لطیف سے لطیف تر بنانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

(۴۲) صوفی کی صحبت اور محبت سے ہر طالب کو ایک نئی معنوی، اور حقیقی زندگی حاصل ہوتی ہے، وہ زندگی کے عجیب وغریب لطف سے آشنا ہونے لگتا ہے۔ اس کی کیفیات واحساسات میں پاکیزگی آنے لگتی ہے، وہ خود اعتمادی سے بہرہ ور ہونے لگتا ہے۔

صوفی کی صحبت طالب کو ایک نئے سفر پر گامزن کردیتی ہے۔ یہ سفر ذکر وفکر کے ذریعہ نفسی قوتوں کو اللہ ورسول کے تابع کرنے اور خالص اللہ کی رضامندی کے تحت زندگی گذارنے کا سفر ہوتا ہے۔ یہ سفر اگرچہ مشکلات سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور طالب کو برسوں تک مجاہدوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ لیکن حقیقی طلب کا حامل طالب، صوفی کی مسلسل صحبت کی بدولت اپنی ساری توانائیاں اس سفر (راہ سلوک) کو طے کرنے میں صرف کردیتا ہے۔

اس سفر کی سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ طالب عرصہ تک نفس پرستی کے وسیع جنگل میں چل رہا ہوتا ہے۔ اسے سفر کے نتیجہ کا ادراک وعلم بالکل بھی نہیں ہوتا، لیکن صوفی کی صحبت اور اس پر اعتماد کرتے ہوئے بس وہ چل رہا ہوتا ہے۔

اس سفر میں اسے روزانہ مرنے اور روزانہ زندہ ہونے کے حالات سے بھی گذرنا پڑتا ہے۔ مسلسل سفر کے نتیجہ میں جب محبوب حقیقی کو طالب کے مجاہدے قبول ہوتے ہیں تو وہ اسے نفس پرستی کی قوتوں سے بڑی حد تک نجات دلاکر، نفس مطمئنہ کے مقام پر فائز کردیتا ہے۔ نفس مطمئنہ کا یہ مقام ایسا ہے، جو سعادت دائرین کا ذریعہ ہے۔ اس مقام تک رسائی کے بعد طالب محسوس کرتا ہے کہ مجھے جو نعمت عطا فرمائی گئی ہے، وہ ایسی نعمت ہے کہ اس کے بدلہ میں اگر سو جانیں بھی قربان کی جائیں تو یہ سستا سودا ہے۔

(۴۳) معاشرہ کا بڑھتا ہوا اخلاقی تنزل جس میں مفاد پرستی، انانیت، قساوت قلبی، سنگ دلی، خودغرضی، بے راہ روی، بے حسی جیسی چیزیں شامل ہیں، وہ صوفی کے لئے شدید اذیت وصدمہ کا باعث ہیں۔ پچھلے چند سالوں میں اس اخلاقی تنزل میں جو غیر معمولی اضافہ ہوا ہے، وہ حیرت انگیز ہے، معلوم ہوتا ہے قوم نے صدیوں کا مادہ پرستی کا سفر چند سالوں میں طے کیا ہے۔

افراد ملت کی یہ حالت صوفی کے لئے انگاروں کے بستر پر لیٹنے کے برابر ہے۔

(۴۴) صوفی کے نزدیک نفس کی دوئی ودورنگی اور اس کی چاہتوں کے قلع قمع کے بغیر نہ تو اخلاص کا مقام حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی وصول الی اللہ کی منزل تک رسائی ہوتی ہے۔ نفس کی طاقتور چاہتوں اور دورنگی کی صورت میں سرے سے ایمان ہی متزلزل رہتا ہے اور دین کی محض ظاہری اور رسمی صورت ہی موجود رہتی ہے۔ اس لئے نفس پرستی کی طاقتور طوفانی لہروں سے مقابلہ کے کام کو فیصلہ کن اہمیت دیئے بغیر فرد کے ایمان ویقین اور دین اسلام کی ساری عمارت حالت خطرہ میں رہتی ہے۔ عزازیل کو شیطان بنانے میں نفس پرستی کی قوتوں ہی کو عمل دخل تھا، حالانکہ وہ عابد بھی تھا اور عالم بھی تھا۔ اس کی عبادت اور اس کا علم نفس پرستی کی قوتوں سے مقابلہ

میں کام نہیں آسکا اور وہ ملعوں ہوگیا، شیطان کا یہ حشر صوفی کی لئے عبرت وموعظت کا ذریعہ ہوتا ہے اور وہ آخر وقت تک نفس کی طرف سے خائف رہتا ہے اور وہ زندگی کے ہر عمل ومعاملہ کو ٹٹولتا رہتا ہے کہ کہیں اس میں نفسی قوتوں کا مکر وفریب اور دوئی ودورنگی کا عمل دخل تو شامل نہیں، خود احتسابی کا یہی عمل صوفی کا وطیرہ رہتا ہے۔

ذکر وفکر کے مجاہدوں کے مراحل سے گزرنے کے بعد آخر میں صوفی کا قرآن سے تعلق خاطر ہی وظیفہ بن جاتا ہے۔ وہ ہر معاملہ میں قرآن کی طرف رجوع ہوتا ہے، قرآن، محبوب حقیقی کے سلسلہ میں اس کی حساسیت میں اضافہ کردیتا ہے، قرآن اس کی قلبی رقت کو بے پناہ کردیتا ہے، قرآن، اسے محبوب سے ملاقات کے لئے اکساتا رہتا ہے، قرآن، اسے آخرت کے بڑے دن کی فکر سے غمگین کردیتا ہے، قرآن اس کے ایمان میں اضافہ پر اضافہ کردیتا ہے۔ قرآن، اس کے دل کے سازوں کو بجاتا رہتا ہے۔ قرآن، اسے زندگی کا ہر لمحہ محبوب کے لئے صرف کرنے کے لئے بے چین کردیتا ہے، قرآن، دین پر عمل پیرا ہونے کے سلسلہ میں اس کی فکرمندی میں اضافہ کردیتا ہے۔

الغرض یہ کہ صوفی ذکر وفکر کے مجاہدوں کے بعد قرآن ہی سے تعلق خاطر رکھتا ہے۔ قرآن کھولتے ہی اس کی آنکھیں نم زدہ ہوجاتی ہیں۔ محبوب کی شان عظمت اس پر لرزہ طاری کر دیتی ہے، اپنی سیاہ کاری کا احساس اس پر غالب ہونے لگتا ہے، محبوب کی قدر نہ کرنے پر وہ ملول ہوجاتا ہے۔ قرآن اس کے لئے تجدید ایمان کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔

(۴۵) صوفی کی نظر میں جب معاشرہ خود پرستی اور مفاد پرستی کی دلدل کا شکار ہوتا ہے تو معاشرہ کا ہر شعبہ فساد زدہ ہوجاتا ہے اور ہر شعبہ سے وابستہ افراد میں خیر کو قبول کرنے کی استعداد ختم ہوجاتی ہے۔ مذہب رسمی صورت اختیار کر جاتا ہے، اس طرح کے معاشرہ کو کوئی سیاسی، کویا سماجی نوعیت کی تحریک اس دلدل میں سے نکال

سکے، ممکن نہیں۔ اسے اس دلدل سے نکالنے کی صورت ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ معاشرہ میں پوری طاقت سے تجدید ایمان کی تحریک شروع کردی جائے۔ افراد کو چھوٹے پیمانہ پر ہی سہی، ایک ایسا ماحول فراہم کیا جائے، جہاں آکر وہ ایمان کی لذتوں سے بہرہ یاب ہو سکے اور ایمان کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے اس میں توانائی پیدا ہو سکے۔

ہمارے ہاں صدیوں سے اہل اللہ کی خانقاہیں دراصل تجدید ایمان کی طاقتور تحریکیں تھیں، جس سے معاشرہ کو صالح خون ملتا رہا، جس سے افراد میں ہر طرح کی بُرائی کے مقابلہ کی صورت پیدا ہوتی رہی ہے۔

(۴۶) صوفی کا دل شفقت ورحمت سے سرشار ہوتا ہے، وہ افراد امت کے غم کو اپنا غم سمجھتا ہے، امت آئے دن وقت کے جن طوفانوں، معاشی بحرانوں، کفر کی عالمی طاقت کی جن سازشوں اور اس کے حملوں کا شکار رہتی ہے اور قوت برداشت کے فقداں کی وجہ سے خاندانوں میں ٹوٹ پھوٹ کا جو عمل پوری امت کی سطح پر جاری ہے، صوفی کو امت کی یہ حالت غم زدہ کردیتی ہے، اس کی آرزو ہوتی ہے کہ کاش امت، اللہ کی طاقت کو اپنے ساتھ ملا دے تو وہ ان بحرانوں، طوفانوں اور مسائل سے بڑی حد تک محفوظ ہوسکتی ہے۔ صوفی دل کی ساری قوت سے افراد امت کو یہ ہی نکتہ سمجھانے کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔

(۴۷) صوفی کی نظر میں قوموں کی زندگی میں اللہ کا یہ اٹل قانون کارفرما ہے، جس کی کسی صورت میں خلاف ورزی نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر برپا نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت نہیں بدلتے۔

(ان اللہ لایغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم)

اللہ کے اس قانون کے مطابق اگر کوئی قوم اجتماعی زندگی میں فساد وبغاوت کی روش اختیار کرتی ہے ظلم سے کام لیتی ہے۔ دوسروں کے حقوق غصب کرنے کی روش

پر قائم رہتی ہے، اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے کسی صورت تیار نہیں ہوتی مالی معاملات میں دھوکہ دہی، جھوٹ وغیرہ سے کام لیتی ہے تو اس روش کی موجودگی میں وہ اللہ سے رحمت اور خیر وبہتری کی امید رکھے کہ اللہ اس کے حالات میں انقلاب برپا کردے، یہ امید عبث ہے اور خودفریبی کے مترادف ہے۔

جب تک قوم اپنے حالات میں انقلاب برپا نہیں کرتی، وہ خیر کی روش اختیار نہیں کرتی، بُرائی کے اپنے مزاج کو نہیں بدلتی، اپنی نیتوں کے رخ میں اصلاح نہیں لاتی، تب تک وہ قوم زوال وفساد ہی کا شکار رہے گی اور قدرتی قانون اسے تباہی ہی سے دوچار کرتا رہے گا، اور وہ نئے نئے بحرانوں والمیوں ہی کا شکار رہے گی۔

اس لئے فساد زدہ قوموں کے حالات میں بہتری کی صورت ایک ہی ہے کہ اس قوم کی داخلی اور باطنی دنیا میں تغیر برپا کرکے، اسے خود احتسابی کی راہ پر گامزن کیا جائے، تاکہ وہ اخلاقی قوت سے مالا مال ہوکر قدرت کے سزا کے قانون سے بچ سکے۔

(۴۸) صوفی کی نظر میں اس وقت ریاست کے سیاسی، سماجی اور انتظامی اداروں میں جو کشمکش برپا ہے، اس میں خیر وشر کی قوتیں کارفرما نہیں ہیں، بلکہ اس ساری کشمکش میں ایک ہی جذبہ کارفرما ہے کہ ریاست کے ادارے ہمارے حوالہ ہوں، تاکہ ریاستی اداروں کی سرپرستی میں لوٹ مار، اور شر کے جو بھی کام ہورہے ہیں، وہ دوسروں کی بجائے ہماری ہی سرپرستی میں ہوں، یعنی اداروں میں برپا ہونے والی ساری کشمکش میں شر کے جذبات ہی کارفرما ہیں، اس لئے افراد جب تک اندر سے تبدیل نہ ہوں، سیاسی وسماجی اور جملہ ریاستی اداروں سے خیر کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سیاسی وسماجی اداروں وتنظیموں سے وابستہ افراد، حکومتی اداروں پر فائز ہونے سے پہلے ہی حب جاہ وحب مال کی بنیاد پر آپس میں ایک دوسرے سے صف آرا ہوتے ہیں۔ جب حکومتوں پر قابض

ہونے سے پہلے ان کی حالت یہ ہوتی ہے تو حکومت کے بے پناہ وسائل ہاتھ میں آنے کے بعد وہ جو لوٹ مار برپا کر سکتے ہیں وہ ظاہر ہے، اس لئے صوفی کی نظر میں سیاسی وسماجی اداروں کے حوالے سے ہاتھوں کی تبدیلی کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔ بنیادی کام افراد کو اندر سے تبدیل کرنے کا ہے۔ جو بدقسمتی سے نہیں ہورہا ہے۔

(۴۹) صوفی کی نظر میں زیادہ دولت اپنے ساتھ ایسے فتنے اور مزاج کی ایسی خرابیاں لاتی ہے، جن کی اصلاح غیرمعمولی طور پر دشوار ہے۔ دولتمند کی مثال اس دیو کی ہے، جو کسی فرد کے جسم میں حلول کر جائے۔ یہ دیو، فرد کے مزاج میں تہلکہ برپا کردیتا ہے اور اس کے مزاجی توازن کو بگاڑ دیتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ دولتمند کا خدا کی خدائی میں داخل ہونا، ایسا ہے، جیسا اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں داخل ہونا۔ حضرت سلطان باہو نے اپنے ایک شعر میں دولت پر ایک لعنت بھیجی ہے، دولتمند پر دو لعنتیں۔ سبب یہ ہے کہ دولتمند عام طور پر غریب افراد کو بھوک سے بلبلاتے ہوئے دیکھنے کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتا، اسے انسانیت سے زیادہ دولت کے سکے عزیز ہوتے ہیں۔ اس لئے صوفی کی تاکید، نصیحت ووصیت یہ ہے کہ زیادہ دولت کی کاوش ہرگز نہ کی جائے۔ البتہ اتنی دولت ضروری ہے، جس سے دوسروں کی محتاجی سے بچا سکے، ضروریات کو جتنا کم کیا جا سکتا ہے کیا جائے ڈاکٹروں کے چکر سے بچا جائے، اس لئے کہ اس میں زیادہ دولت مطلوب ہوتی ہے۔ علاج معالجہ کے لئے اچھے حکیموں سے رابطہ میں رہا جائے، شادیوں میں اسراف سے بچا جائے، گھر میں غیرضروری چیزوں کو (محض سامان زینت کی حیثیت سے) لانے سے بچا جائے۔

(۵۰) صوفی کو دوسری دنیا کے مشاہدات، کشف، ارواح سے ملاقاتوں وغیرہ سے بھی کچھ حصہ ملتا ہے، اس سے صوفی کی عاجزی وفنائیت اور محبوب کی شکر ادائیگی کے جذبات واحساسات میں اضافہ ہی ہوتا ہے، فنائیت کی وجہ سے صوفی دوسری دنیا

کے مشاہدات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا، وہ چاہتا ہے کہ ان مشاہدات سے زیادہ اسے حلاوت عبادت وذکر حاصل ہو، اور محبوب کے استحضار کا اس کا ملکہ راسخ سے راسخ تر ہو۔

صوفی کشف والہام وغیرہ کو ایک طرح کا انعام ہی سمجھتا ہے، لیکن اسے سب سے بڑی جو دولت حاصل ہوتی ہے، وہ نفسی قوتوں پر فتحیابی اور اسلامی شریعت پر استقامت کی نعمت ہوتی ہے وہ اس نعمت کے مقابلہ دوسری چیزوں کو ہیچ سمجھتا ہے۔

(۵۱) صوفی کی نظر میں جدید مادی کلچر کا طوفان ایسا ہولناک طوفان ہے کہ اس کی زہریلی ہواؤں سے افراد نہیں بچ سکیں گے، سوائے ان افراد کے، جو اہل اللہ کی صحبت کے ماحول سے چمٹے رہیں گے اور ان کی صحبت کے زیر اثر ذکر وفکر کو ترجیح دیں گے اور صبر، شکر وقناعت کے ساتھ زندگی گذارنے پر راضی ہوں گے۔

قیل قال وعظ ونصیحت اور کسی دینی جماعت سے رسمی اور ضابطائی تعلق سے مادی کلچر کے اثرات بد سے بچکر ایمان کی سلامتی کے ساتھ قائم رہنا، اب لگ بھگ ناممکنات میں سے ہوگیا ہے اس لئے کہ جدید مادی کلچر کی ''خاصیت'' ہی یہ ہے کہ وہ ہر شخص کی نفسی قوتوں کو مشتعل کرکے، انہیں سارے اخلاقی حدود پھلانگنے کا کردار ادا کررہا ہے۔ یہ مادی کلچر تاریخ انسانی کی سب سے بڑی آفت ہے۔ اس آفت کا مقابلہ کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اہل اللہ جو ذکر کے نورانی ماحول کے حصار میں رہتے ہیں، ان کے حصار میں آجانے سے اس مادی کلچر کی ہلاکت خیزیوں سے بچا جا سکتا ہے۔

اس کی دوسری کوئی صورت موجود نہیں۔

(۵۲) صوفی دین کے غلبہ اور اعلائے کلمتہ اللہ کے کام کو فیصلہ کن اہمیت دیتا ہے، لیکن صوفی کی نظر میں فاسد زدہ معاشرہ میں یہ کام تدریج کا طالب ہے۔ اس کا کوئی مختصر راستہ نہیں ہے۔ افراد کی اصلاح اور معاشرہ کی اصلاح سے ہی غلبہ دین کی

مستحکم صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

عوام کو اسلامی بنیادوں پر تبدیل کئے بغیر حکومتی سطح پر غلبہ اسلام کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ کسی طریقہ سے حکومت پر قبضہ سے غلبہ اسلام کا کام ہو سکے ممکن نہیں، اس لئے کہ غلبہ اسلام کی راہ دلوں کی تبدیلی سے ہی ہوکر گزرتی ہے، اس عظیم کام کے لئے ایسے کارکنوں کی ضرورت ہے، جو بڑی حد تک باطن کی تبدیلی کے مراحل سے گذر چکے ہیں، اخلاق حسنہ سے مزین ہوں اور تضادات سے پاک ہوں، غلبہ دین کا یہی فطری طریقہ ہے۔

(۵۳) صوفی کی نظر میں محبوب حقیقی کی طرف پرواز کے دو پَر ہیں۔ ایک صحبت اہل اللہ دوسرا کثرت ذکر، ان دونوں پروں سے محبوب کی طرف فرد کی پرواز تیز سے تیز تر ہوتی ہے اور منکر سے بچنے اور اللہ ورسول کی اطاعت آسان ہونے لگتی ہے۔

صحبت سے اہل اللہ کے دل کے شعائیں فرد کے دل میں منتقل ہونے لگتی ہیں، جب کہ ذکر سے باطنی حجابات سے بچاؤ اور قلب میں انوار الٰہی کا نزول ہونے لگتا ہے۔

طالب کے لئے یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں، ان میں ایک چیز میں بھی کمی واقع ہوگی تو اس سے فرد کی محبوب کی طرف پرواز میں کوتاہی واقع ہوجاتی ہے۔ بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک پَر کا حامل پرندہ شکاری کی نذر ہوجاتا ہے۔ صحبت کے ساتھ اگر ذکر نہیں ہے تو ایسی صحبت کیفیات میں بہتری کا ذریعہ تو ہے، کسی حد تک باطنی امراض کے ادراک کا موجب بھی، لیکن ذکر کے بغیر طالب کے اندر کی قابل ذکر حد تک صفائی نہیں ہوگی۔ لوگوں سے معاملات کے وقت اس کے اشتعال میں کمی واقع نہ ہوگی اور طمانیت قلب اور تسکین قلب کی مستقل صورت پیدا نہ ہوگی۔

اگر ذکر وفکر کے لئے آمادگی ہے، لیکن صحبت کا فقداں ہے تو اس سے ذکر میں

استقامت کی صورت کا پیدا ہونا اور اس میں ذوق وشوق کی فضا کا پیدا ہونا دشوار تر ہے۔

(۵۴) صوفی پر اللہ کا ایک بڑا فضل یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی انا وانانیت کو مٹانے میں بڑی حد تک کامیاب ہوتا ہے۔

اسے یہ کامیابی غیر معمولی مجاہدوں کے بعد کہیں جا کر حاصل ہوتی ہے۔ انا کے بت کو توڑنے میں بعض صوفیوں کو پچیس تیس سال تک لگ جاتے ہیں۔ انا کا یہ بت فرد کی شخصیت میں اس قدر مستحکم ہے کہ ذکر وفکر کے مجاہدوں اور صحبت سے یا تو دب جاتا ہے یا مکر وفریب کی بعض عجیب وغریب صورتیں اختیار کرنے لگتا ہے صحبت ومجاہدوں کے اس سارے عرصہ میں کبھی اسے دوسروں کے آگے بڑھنے سے جلن پیدا ہوتی ہے تو کبھی دوسروں کی تذلیل وتحقیر کے احساسات اسے پریشان کردیتے ہیں۔ کبھی اسے ذکر وفکر کے اپنے مجاہدوں پر ناز ہونے لگتا ہے تو کبھی وہ چاہنے لگتا ہے کہ دوسرے اس کی بزرگی کو تسلیم کریں اور اس کے مجاہدوں کی تعریف کریں۔ کبھی اس پر یہ خبط سوار ہونے لگتا ہے کہ اس کی موجودگی میں دوسروں کی بڑائی اور افضلیت بے معنیٰ ہے۔

غرض کہ صوفی کو دوران سلوک روزمرہ زندگی میں انا وانانیت کے بت سے مسلسل سابقہ پڑتا ہے، اس طرح کے سارے مواقع پر صوفی پوری قوت سے اندر میں غوطہ زن ہوکر، ان بتوں کی توڑ پھوڑ کے کام میں مشغول ہوتا ہے، ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں سے اندر کے یہ طاقتور بت روزانہ کچھ نہ کچھ ٹوٹتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ اتنے خوفناک اور طاقتور بت ہوتے ہیں کہ صوفی بعض اوقات ان کے مقابلہ میں بے بس ہوجاتا ہے۔ اس سلسلہ میں جب صوفی کی بے بسی انتہا پر پہنچتی ہے تو اس کے ساتھ اللہ کی مدد شامل حال ہوجاتی ہے اور کئی ہفتوں اور مہینوں تک صوفی کو محسوس ہوتا ہے کہ اب انا کا بت ٹوٹ چکا ہے، لیکن یہ خیال آتے ہی انا کی قوتیں

نئے سرے سے اس پر حملہ آور ہوکر، اس کے دل کے نظام کو درہم کرنے لگتی ہیں۔ اس اعتبار سے صوفی جن تجربات سے گذرتا ہے، وہ ایسے تجربات ہیں، جس سے عام طور پر انسانیت ناآشنا ہوتی ہے اور اس ناآشنائی کی وجہ سے افراد، افراد سے ٹکراتے رہتے ہیں۔ خاندان خاندان سے صف آرا ہوتے ہیں۔ جماعتیں، جماعتوں سے معرکہ آرائی کررہی ہوتی ہیں، گروہ، قبیلے اور قومیں قوموں سے دست وگریبان ہوتی رہتی ہیں۔

مجاہدوں کے نتیجہ میں صوفی کے دوسرے باطنی رزائل وخرابیوں کی اصلاح کے عمل میں بھی بہتری آتی رہتی ہے، لیکن انا وانانیت کی بیماری پوری طرح آخر میں جاکر کہیں نکلتی ہے۔ یہ صوفی کیلئے فنائے کامل کا مقام ہوتا ہے۔ فنائے کامل کے اس مقام تک رسائی کے وقت اور اس کے بعد صوفی کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی شخصیت ہی کو ساری خرابیوں اور سیاہ کاریوں کا مرکز سمجھتا ہے۔ اور اسے یہ خطرہ دامنگیر ہونے لگتا ہے کہ بڑے پن یا بزرگی کے معمولی احساس سے کہیں وہ اللہ محبوب کے عتاب کا شکار نہ ہوجائے اور انا کا بت دوبارہ طاقتور ہوکر اسے دوسروں کی تذلیل اور اپنی بڑائی کی راہ پر گامزن نہ کردے۔

صوفی کا مشاہدہ یہ ہے کہ فنائے کامل کے بغیر شخصیت کو انا کے بت سے کامل طور پر نجات نہیں ملتی اور وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس مقام تک رسائی کے بعد صوفی حقیقی معنیٰ میں آداب انسانیت کی بجا آوری کی صلاحیتوں کا حامل ہوتا ہے اور اسے قرب کے مقامات سے نوازا جاتا ہے۔ نیز وہ انسانیت کے حوالے سے بھی متفکر ہوتا ہے کہ کسی طرح افراد کو اس سب سے بڑے بت کی بت پرستی کے خطرناک نتائج سے آشنا کرکے، اس کی اصلاح کی راہ پر لایا جائے، تاکہ انسانیت، فساد کے اصل مرکز سے بچ جائے۔

انا وانانیت کے اپنے تجربات کے مراحل سے گذرنے کے بعد صوفی

شخصیتوں، جماعتوں، اہل علم واہل دانش کے درمیاں ہونے ہونے والے تصادم، دوری اور کشیدگی کی اصل تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔لیکن اب صوفی کی زبان گنگ ہوجاتی ہے۔ وہ اپنے مشاہداتی حالات کی روشنی میں معاشرہ کی دوسری مؤثر شخصیتیں (جو راہ سلوک سے بھی ناآشنا ہیں) ان کے حالات کے تہہ میں کارفرما محرکات بیان کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ایک تو اس کی کوئی افادیت نہیں، دوم یہ کہ اب صوفی پر تنقید کی بجائے مثبت طور پر دعوتی کام کرنے کا داعیہ غالب ہوجاتا ہے۔

(۵۵) صوفی اپنی اداؤں سے لوگوں کو دعوت دے رہا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی محبت اور ایمان ویقین کی گہرائیوں کی طرف آئیں کہ اس سے باہر مادی زندگی پر فدائیت کی ''خاصیت'' اور اس کا نتیجہ جہنمی انگاروں میں جلتے رہنے، ذہنی ونفسیاتی امراض کا شکار ہونے، دل کے نظام کے درہم برہم ہونے اور اداسی، بے یقینی اور خلفشار کے سوا کچھ بھی نہیں۔ بہت کم افراد ہیں، جو صوفی کی ان اداؤں کو سمجھکر اس طرف آنے کے لئے تیار ہوں۔

صوفی کی نظر میں اس وقت معاشرہ میں تزکیہ نفس، تہذیب نفس اور ضبط نفس کے اعتبار سے زبردست خال موجود ہے۔ اس خال کا نتیجہ ہے کہ لوگ مادی سیلاب میں تنکوں کی طرح بہے جارہے ہیں۔ ہمارے ارباب سیاست ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے کی راہ پر گامزن ہیں، محض اس لئے تاکہ اقتدار ان کے بجائے ہمارے ہاتھوں میں ہو، تاکہ ریاستی اقتدار کے ذریعہ جو اخلاقی مفاسد، معاشی لوٹ مار، اور ریاست کے طاقتور اداروں کے ذریعہ مادہ پرستی کی طاقتور لہروں کے ذریعہ افراد معاشرہ کو بگاڑنے، ان کی اخلاقی تباہی کا جو کام دوسروں کے ہاتھوں ہو رہا ہے، وہ ہمارے ہاتھوں ہو۔

ہمارے صنعت کار قوم کی غربت وافلاس کی قیمت پر مالدار سے مالدار تر بنتے جاتے ہیں، وہ اس دولت میں قوم وملت کے افراد کو کسی صورت شریک کرنے کے

لئے تیار نہیں۔

ہمارے تعلیمی ادارے معاشرے کو ایسے ڈاکو نما افراد فراہم کررہے ہیں، جو کروڑپتی وارب بننے کے جنوں میں مبتلا ہیں، اس سلسلہ میں وہ انسانیت اور درد انسانی کے حوالے سے کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں۔

معاشرہ میں بڑھتی ہوئی انسانیت کشی کی روک تھام نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ تیزی سے تباہی کی راہ پر جارہا ہے۔صوفی کی نظر میں اس سے بچاؤ کی واحد صورت یہ ہے کہ صوفی سے آداب انسانیت سیکھنے، تہذیب نفس کے اجزا حاصل کرکے روح اور دل کو اس کی مطلوبہ غذا دی جائے تاکہ نفسی قوتوں اور نفسی وجود پر روحانی وجود غالب آسکے، روح کی لطافت کے غلبہ کی وجہ سے فرد وافراد کو ایسا گُر حاصل ہو سکے گا، جس سے وہ دولت پرستی، مفاد پرستی، خودغرضی، خودسری، اقتدار پرستی، انانیت، اور حرص وہوس کے بتوں سے نجات حاصل کرکے، محض اللہ کے لئے جینے اور اللہ کی مخلوق کی بھلائی کے جذبات سے سرشار ہوں گے اور محبوب حقیقی کی اطاعت اور اس کی رضامندی کے احساسات سے سرشار ہوکر، پاکیزہ انسانی اقدار کے نگران ومحافظ بن جائیں گے اور محض اللہ کے لئے جینے ومرنے کے لطف سے آشنا ہوں گے۔

اس کے بعد ہی سیاستدانوں کی صلاحیتِ سیاست، صنعت کاروں کی صلاحیتِ صنعت اور ڈاکٹر وماہروں کی مہارت، افراد معاشرہ کے لئے خیر وبرکت کا باعث ثابت ہوگی۔ ورنہ نفسی قوتوں کے غلبہ کی موجودگی میں سارے مؤثر، باصلاحیت اور مختلف مہارتوں کے حامل طبقات اپنی نفس پرستی کی قوتوں کی وجہ سے معاشرہ کو ہولناک تباہی سے دوچار کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا کردار ادا کرسکیں، ممکن نہیں۔

(۵۶) صوفی پر ایک بڑی فکر یہ بھی طاری ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح انسانوں کے کام آسکے، ان کی دینی اور دنیاوی زندگی میں سہارا بن سکے، صوفی کی نظر میں اس

کی سب سے بہتر اور فطری صورت تو یہی ہے کہ فرد وافراد اللہ کی راہ محبت کا سفر طے کرنے کے لئے تیار ہوجائیں لیکن مادہ پرستی کی عالمی ومقامی قوتوں اور مروجہ تعلیمی وتربیتی اداروں نے افراد سے راہ محبت میں چلنے کی استعداد سلب کر لی ہے اور اس سلسلہ میں باطنی حجابات کو مستحکم کر دیا ہے۔ افراد کے رجحانات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مادہ پرستی کی بے رحم قوتوں اور نفسی قوتوں کے تھپیڑوں سے روزانہ مار کھاتے رہیں گے، شدید ذہنی ونفسیاتی دباؤ کا شکار ہوکر، مریض کی حیثیت سے زندگی گذارنے پر تیار ہیں، لیکن وہ راہ محبت میں داخل ہوکر، اس دنیا میں جنتی زندگی کے عکس والی زندگی سے فیضیاب ہونے کے لئے کسی صورت تیار نہیں ہوں گے۔

افراد معاشرہ کی یہ عمومی روش صوفی کو شدید غم زدہ کردیتی ہے اور اس کے ہولناک اثرات کا تصور کرتے ہی صوفی بے چین ہوجاتا ہے۔

(۵۷) صوفی چاہتا ہے کہ دینی مدارس کے فضلا، دور جدید کے تیز تر طوفانوں کی نوعیت کو سمجھیں اور مدارس میں طلبہ کی ظاہری تربیت کے ساتھ باطنی تعمیر وتربیت کے کام کو بھی نصاب کا حصہ بنائیں اور اس کی ضرورت وافادیت پر پوری طرح ذہن سازی فرمائیں۔ اس لئے کہ مادہ پرستی کی طاقتور طوفانی لہریں دینی مدارس کی درودیوار سے ٹکرا کر مدارس کے اندر داخل ہوچکی ہیں۔ موبائل اس کی واضح صورت ہے کہ اس میں نیویارک، لندن اور پیرس میں مادہ پرستی، فحش کاری اور جنس زدگی اور بدکاری کے جو بھی مناظر ہورہے ہیں، انٹرنیٹ کے ذریعہ موبائل میں ہر وقت ہر فرد کی ان مناظر تک رسائی ہوگئی ہے۔ ان مناظر ومظاہر سے بچنے کی کوئی صورت نہیں، سوائے دل و روح کی لطافتوں میں اضافہ کے، روح کو لطیف سے لطیف تر صورت دینے کی صورت اہل اللہ کی صحبت کے ذریعہ اللہ کی محبت کے مراحل طے کرنا ہی ہے۔ جب فرد، اللہ کی محبت میں داخل ہوکر، اس محبت کے ارتقائی مراحل طے کرتا ہے تو وہ گویا طاقتور حصار میں آجاتا ہے، جہاں بڑے سے بڑا طوفان بھی نقصان

پہنچانے سے قاصر ہوتا ہے۔

دینی مدارس کے فضلا کی طرف سے صوفی کی صحبت کو نصاب کا حصہ نہ بنانے کا نتیجہ یہ ہے کہ مدارس سے فارغ فاضل یا تو مسلکی وجماعتی تعصّبات کو بڑھا کر اپنی روزی کی حفاظت کے لئے ایک گروہ کو اپنی پشت پر کھڑا کرنے کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں۔ یا اگر انہیں سکولوں، کالجوں ویونیورسٹیوں میں استاد کی حیثیت سے ملازمت ملتی ہے تو دوچار سال کے اندر اندر وہ اس ماحول کا حصہ بننے لگتے ہیں۔ اور ان کی ظاہری صورت میں تبدیلی آنے لگتی ہے۔ نمازوں سے غفلت ہونے لگتی ہے۔ وہ تجدد پسندی کی زبردست تحریک کے زیر اثر آنے لگتے ہیں، اس لئے صوفی کی نظر میں اب دینی مدارس کی افادیت اسی میں ہے کہ وہ مدارس میں صوفی کی صحبت کے کام کو ظاہری دینی علوم سے بھی زیادہ اہمیت دیں۔ اس لئے کہ جس صحبت سے حمیت دین پیدا ہو، جو صحبت تحفظ دین کا ذریعہ ہو، اس صحبت کا خصوصی اہتمام ہونا ناگزیر ہے۔

(۵۸) صوفی کی نظر میں تعمیر باطن کے علاوہ جتنے بھی راستے ہیں، وہ دولت و دنیا پر فدائیت اور بڑے پن اور انانیت کے راستے ہیں۔ علماء ہوں یا دانشور یا کوئی بھی فرد ہو، وہ اگر تعمیر باطن اور تزکیہ نفس کے لئے مجاہدوں سے کام نہ لے گا تو اس کے لئے یہی نہیں کہ دولت ودنیا اور بڑے پن کی اداؤں سے بچنا دشوار تر ہے، بلکہ ان کے لئے حب جاہ وحب مال کی نفسیات سے بچنا دشوار ہوگا۔

(۵۹) صوفی کی نظر میں صالح بننے کے مراحل سے گذرے بغیر مصلح کے مقام پر فائز ہونا سراسر خطرے کا راستہ ہے۔ اس سے معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہے اور جماعتوں اور گروہوں کی طرف بلانے کی دعوتیں فروغ پذیر ہوتی ہیں اور اسلام اور ملت سے زیادہ افراد کی بنائی ہوئی جماعتیں مقصود کی حیثیت اختیار کرلیتی ہیں اور جماعتوں وگروہوں کو مقصود کے درجہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، اور افراد کے

ایمان واسلام کے پرکھنے کا معیار جماعتوں سے وابستگی ہی قرار پاتی ہے اور اس مقصد کے لئے قرآن وسنت کی از سرنو تشریح پر لٹریچر تیار ہوتا ہے اور افراد کی ساری ذہن سازی امت کی بجائے اپنی اپنی جماعتوں سے وفاداری قرار پاتی ہے۔

صالح بننے اور نفس کو مہذب بنانے کی کاوشوں کے بغیر مصلح بن کر کام کرنے کے یہ ایسے نتائج ہیں، جن سے بچنا ممکن نہیں، صوفی دعوت فکر دیتا ہے کہ باصلاحیت افراد مصلح بننے اور دعوتی کام کرنے سے پہلے نفس کی خوفناک قوتوں کو مطیع کرنے کے لئے وقت نکالیں، تاکہ وہ امت کی تقسیم اور سبیل المومنین سے ہٹ کر دوسری راہ پر گامزن ہونے کے فتنہ سے بچ سکیں۔

بعض اوقات بڑی سادگی اور اخلاص سے یہ راہ اختیار کی جاتی ہے، لیکن آگے چل اس کے نتائج یہی نکلتے ہیں، جس کا ذکر کیا گیا۔

صوفی انتباہ دیتا ہے کہ لاکھوں اولیائے کرام اور صوفیائے کرام غیر معمولی مجاہدوں کی بدولت نفس کی جن خرابیوں کے مشاہداتی مراحل سے گذرے ہیں، وہ یہی مفاسد ہیں۔ امت میں بڑھتے ہوئے فساد کی صورت میں ہم خود بھی اس کا مشاہدہ کررہے ہیں۔

صوفی کے ان انتباہات کو نظر انداز کرنا امت اور خود اپنی ذات سے بدخواہی کرنا ہے۔

(۶۰) صوفی کی نظر میں تصوف کو سیکولرزم، آزادی، اجتماعی معاملات میں دین سے دوری وبے اعتنائی اور غلبہ اسلام کے مخالفت کے مقاصد کے لئے استعمال کرنا، یہ کام دین سے عناد رکھنے والے افراد ہی کر سکتے ہیں۔ خدا و رسول سے محبت کرنے اور دین کو عزیز رکھنے والے افراد اس طرح کی حرکت کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اس لئے کہ یہ اسلام سے متضاد راہ ہے، جو فرد وافراد کو کفر کے قریب لے جاتی ہے۔ صوفی کو اللہ کے قرب کا جو مقام حاصل ہے، وہ دین اسلام پر استقامت کے

نتیجہ میں ہی ملا ہے۔ دین سے آزادی اور حریت پسندی کا مطلب خدا سے بغاوت ہے۔ اللہ نے اسلام ہی کی صورت میں ہمیں دستور العمل دیا ہے، جو قرآن وسنت میں موجود ہے۔ اس دستور العمل سے ہٹ کر، دوسرا راستہ اختیار کرنا صوفی تو کیا، عامی مسلمان کے لئے بھی ایسا کرنا اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ صوفی اسلامی دعوت کے فروغ اور لوگوں کی تربیت کے لئے جو حکمت عملی اختیار کرتا ہے، اس میں جذبات محبت شامل ہوتے ہیں۔ صوفی تکفیر، فتویٰ اور تشدد کا رنگ اختیار نہیں کرتا، وہ آخری حد تک رواداری سے کام لیتا ہے۔

وہ محبت سے کام لیتا ہے، وہ محبت سے دلوں کو جیتنے کا کام سرانجام دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگوں کی روحانی واخلاقی تربیت کی صورت پیدا ہو، لوگ اس کے قریب آئیں، نہ کہ دور ہوں، صوفی اپنی اس حکمت عملی سے اپنوں اور غیروں سب کو اپنی شخصیت سے مانوس کرکے، اپنے رنگ میں رنگنے کا خواہاں ہوتا ہے۔

صوفیوں نے صدیوں سے اس حکمت عملی سے کام لے کر لاکھوں غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا ہے اور ہر دور میں خاموشی سے بے شمار افراد کی دینی تربیت کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔

صوفی کی اس رواداری کو اسلامی شریعت کے خلاف استعمال کرنا، یہ یا تو جاہل اور بے عمل فقیر نما افراد کا کام ہے یا دین سے عناد رکھنے والے سیکولر دانشوروں کا کام ہے۔ موجودہ دور میں کفر کی عالمی طاقت نے اپنے وسیع تر مقاصد کی خاطر تصوف کو اس کے لئے استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کی ہے۔

حقیقی صوفی نہ صرف یہ کہ اسلام کے خلاف اس طرح کی حرکتوں پر تشویش محسوس کرتا ہے، بلکہ اس کی کاوش ہوتی ہے کہ معاشرہ کو اسلامی اعتبار سے اتنا مستحکم کیا جائے کہ معاشرہ، اسلام دشمنی کی اس طرح کی سازشوں کی مزاحمت کے قابل ہو

سکے۔

(۶۱) صوفی کی آرزو ہوتی ہے کہ معاشرہ سے ایسے باصلاحیت افراد سامنے آئیں، جو بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت کے سکول وکالج قائم کریں۔ جہاں طلبہ کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ کے رسول کی سنتیں سکھائی جائیں، صبح سے رات گئے تک کی دعائیں یاد کرائی جائیں۔ سونے اور لیٹنے سے لے کر کاروبار کرنے کا نبوی طریقہ ذہن نشین کرایا جائے، ساتھ ان کی عمر اور ذہنی صلاحیت کے تحت ان کی روحانی تربیت کی صورت پیدا کی جائے اور اللہ کے ذکر کو ان کے مزاج کا حصہ بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس طرح کے سکول اور کالج وقت کی سب سے اہم ضرورت ہیں۔ ان میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ ضروری دینی تعلیم جو ہر مسلمان کا فریضہ ہے، وہ بھی آجائے گی۔

معاشرہ کو بڑھتے ہوئے زوال سے روکنے کی یہ سب سے مؤثر صورت ہے۔ کاش، روحانی اداروں سے وابستہ ایسے باصلاحیت افراد آگے بڑھکر اس کام کو ہاتھ میں لیں۔

(۶۲) صوفی بعض بزرگوں کی بیان کردہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جو فرد اس دنیا کی جنت میں داخل نہ ہوا، اس کے لئے آخرت کی جنت میں داخلہ مشکل ہے۔ اس دنیا کی جنت کا مطلب ذکر وعبادت کی حلاوت کا حاصل ہونا، اللہ کی کتاب سے طمانیت کا حاصل ہونا، اللہ ورسول کی اطاعت کا وظیفہ حیات ہونا، انسانی جوہروں سے بہرہ وری کا ہونا، اللہ کی زمین پر اس کے عاجز بندے کی حیثیت سے زندگی گذارنے کے سلیقہ سے آشنا ہونا، اللہ کی مخلوق سے محبت کا ہونا اور آخرت میں اللہ سے ملاقات کے استحضار کا ہونا وغیرہ شامل ہے۔

(۶۳) صوفی کا ہدف آخرت میں اللہ کی جلالی صفت یعنی جہنم سے خود بھی بچنے کے لئے کوشاں ہونا ہے تو اپنے گھر والوں اور حلقہ سے وابستہ سب افراد کو اللہ

کے اس جلال سے بچانے کی سعی کرنا ہے۔

فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز. (جو آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل ہو وہی کامیاب ہے)۔

صوفی کی نظر میں جہنم، جو اللہ کی صفت جلال کا مظہر ہے۔ فرد کے لئے اس سے بڑھکر کوئی مسئلہ نہیں، اس دنیا کی ساری پریشانیاں جہنم کی سزا کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ دنیا کے ہزاروں لاکھوں مسائل وپریشانیاں ایسی ہیں، جو اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس لئے صوفی پر دنیاوی پریشانیوں کے برعکس آخرت میں اللہ کے جلال سے بچنے کی فکر اس کے سارے افکار پر غالب ہوتی ہے۔ اگرچہ صوفی طویل عرصہ تک راہ محبت میں چلتے رہنے کے نتیجہ میں اللہ کے جلالی صفت کے عکس کے ذریعہ نفس میں موجود غلاظتوں کے ڈھیروں کو بڑی حد تک نکال چکا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کی شان عظمت سے خائف رہتا ہے کہ کہیں اسے اس کی کوئی ادا ناپسند ہوجائے اور وہ عتاب کا شکار ہوجائے اور وہ وہاں بھی اس کے جلال کا شکار ہوجائے۔

صوفی کو اللہ کے جلال سے زیادہ کوئی چیز خائف کرنے والی نہیں ہے۔ چونکہ وہ اللہ کے جلال کا برسوں تک مشاہدہ کر چکا ہوتا ہے اور اس کے نفس پر برسوں تک اللہ کے جلالی صفات کے عکس گرتے رہتے ہیں۔ جس سے وہ عرصہ تک قیامت خیز حالات سے دوچار رہا ہے، اس لئے وہ آخرت میں اللہ کی اس جلالی صفت سے سب سے زیادہ پناہ کا طالب ہوتا ہے۔

(۶۴) صوفی امت کی فاضل شخصیتوں کے اجتہادی اور علمی مسائل میں اختلافات کو باعث زحمت نہیں، بلکہ باعث رحمت سمجھتا ہے، صوفی کی نظر میں یہ اختلافات امت کی تقسیم کا موجب نہیں ہونے چاہئے۔ جو افراد جس مجتہد اور امام کی پیروی کرنا چاہتے ہیں، انہیں اس کی پیروی کرنا چاہئے، دوسرے مجتہدوں اور اماموں

کی تردید وتکذیب کی راہ اختیار کرنا، یہ امت کو تقسیم کرنے کے مترادف ہے، اس لئے کہ فقہی وجزوی مسائل میں مختلف آراء میں امت کی فاضل شخصیتوں کی دل و دماغ کی بہترین اجتہادی صلاحیتیں ہیں اور اس میں ان کے اعلیٰ درجہ کا اخلاص بھی موجود ہوتا ہے۔ اخلاص واعلیٰ درجہ کی علمی صلاحیتوں کے ساتھ ہونے والا اجتہاد باعث رحمت ہوتا ہے، نہ کہ باعث زحمت، البتہ وقت کے جو علمائے کرام قرآن وسنت سے براہ راست مسائل اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، بالخصوص دور جدید کے مسائل میں مجتہدانہ صلاحیتوں کے حامل ہوں، انہیں نئے مسائل میں افرادِ امت کی رہنمائی کا پورا استحقاق حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں عام افراد کو جن علماء پر بھی اعتماد ہو، وہ ان کی تقلید اختیار کرکے انہی کی راہ پر گامزن ہوں، البتہ دوسرے فقہاء ومجتہدوں کی تکذیب وتردید اور اپنے ہی موقف پر ضد واصرار یہ تقسیم امت کا ذریعہ ہے، جس سے بچنا ضروری ہے۔ صوفی اس طرح کے معاملات میں رواداری اور وسعت ظرفی کا حامل ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس کے یہاں تنگ نظری بالکل نہیں ہوتی، اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ مجتہدوں کی غلطی پر بھی انہیں ایک ثواب تو ضرور مل کر رہتا ہے۔

(۶۵) صوفی کا دروازہ ہر طبقہ، ہر مسلک اور ہر جماعت سے وابستہ افراد کے لئے کھلا ہوتا ہے۔ وہ چاہے مقلد ہو یا غیر مقلد، اچھا مسلمان ہو یا فاسق وفاجر، صوفی سب کے لئے دعا گو ہوتا ہے۔ فاسقوں وفاجروں کے لئے تو اس کی تمنا ہوتی ہے کہ وہ اس کے ہاں مستقل آتے رہیں، تاکہ ان پر بتدریج اس کا رنگ غالب ہوتا جائے اور وہ نیکی کی راہ پر گامزن ہونے لگیں، جماعتوں اور گروہوں سے وابستہ افراد کے لئے اس کی تمنا ہوتی ہے کہ وہ اس سے رابطہ میں رہیں، تاکہ افراد امت کے سلسلہ میں وہ رواداری کے سلیقہ سے بہرہ ور ہوسکیں۔ اور اس سلسلہ میں ان کے مزاج کی سختی میں کمی واقع ہوسکے۔

صوفی کی اس حکمت عملی کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس پر تنقید بھی ہوتی ہے کہ معاشرہ کے معیوب افراد اس کی پناہ لئے ہوئے ہوتے ہیں، لیکن اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ اس طرح کے افراد صوفی کی مسلسل صحبت میں آتے رہنے کی وجہ سے بدلتے گئے اور صوفی کا رنگ ان پر غالب ہوتا گیا۔

(۶۶) صوفی کی نظر میں کشف والہام کی دو صورتیں ہیں۔ ایک انعام کی، دوسری آزمائش کی، کشف والقا، انعام اس وقت ہوتا ہے، جب صوفی اسے اپنی شہرت اور بزرگی کے مقاصد کے لئے استعمال نہ کرنے کے ظرف کا حامل ہوتا ہے۔ اس صورت میں حاصل ہونے والا کشف وتصرفات یا دوسری دنیا کے مشاہدات محبوب کی طرف سے انعام کی صورت میں عطا ہوتے ہیں۔ کشف والقا، آزمائش اس وقت ہوتے ہیں جب طالب اسے دوسروں کو بتا کر، اپنی بزرگی کے نقوش مستحکم کرنے کے لئے بے چین ہوتا ہے۔ عام طور پر متوسط صوفیوں کے لئے کشف آزمائش بن جاتا ہے، اس سے ان کی توجہ بھی ذکر سے زیادہ مشاہدات کی طرف منتقل ہوتی جاتی ہے۔

(۶۷) صوفی، راہ سلوک میں اس وقت تک یکسو ہو کر تیز رفتاری سے چلتا ہے، جب تک اللہ کی رضا مندی کا مقصد اسے پوری طرح حاصل نہ ہو، اور یہ اس کی شخصیت کا حصہ نہ بن جائے اور اللہ کی رضامندی اپنی ذات کو مٹائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔

جب تک نفس کی خودسری اور باطنی رزائل موجود ہیں، تب تک اللہ کی رضامندی مقصود نہیں بن سکتی، بلکہ اللہ کی رضا کے ساتھ نفس کی رضا بھی مقصود کے درجہ میں موجود رہتی ہے، اس لئے صوفی کی جدوجہد اپنے سب سے بڑے دشمن نفس کے خلاف اس وقت تک تیزی سے جاری رہتی ہے، جب تک تواضع، فنائیت اور اپنی ذات کی نفی کی حالت مستحکم نہیں ہوتی، نفس کی فنائیت کے اس مقام کو فنائے کامل کہتے ہیں۔ صوفی اس مقام تک رسائی کے لئے اپنے جسم وجان کی ساری توانائیاں

صرف کرتا ہے اور سکھ کی نیند نہیں سوتا، اس مقام پر فائز ہونے کے باوجود اگرچہ وہ مجاہدوں سے کام لیتا رہتا ہے، لیکن اب وہ نفس کی طرف سے خطرہ کی حالت سے باہر نکل آتا ہے، اب وہ دعویٰ کی راہ پر کسی صورت گامزن نہیں ہوتا۔

الغرض یہ کہ اللہ کی رضامندی کے مقصود کو ہر وقت پیش نظر رکھنا، یہ صوفی کا مرکزی ہدف ہوتا ہے، ذکر وفکر کے مجاہدے اس کا سب سے اہم ذریعہ ہوتے ہیں۔ اور اس مقصود کا حصول نفس کی فنائے کامل تک رسائی سے ہی وابستہ ہے۔

(۶۸) صوفی خلافت کو بھاری ذمہ داری سمجھتا ہے، اور امانت بھی، اس لئے ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں کے بغیر اس کی طرف سے خلافت عطا نہیں ہوتی، اس سلسلہ میں وہ غیر معمولی طور پر حساس ہوتا ہے، چونکہ وہ خود پندرہ بیس سال کے شب وروز کے مجاہدوں کے بعد ہی نفس کو قابل ذکر حد تک مہذب بنا کر، اللہ ورسول کی اطاعت میں دینے میں کامیاب ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے تجربات ومشاہدات کو نظر انداز کرکے، خلافت تقسیم نہیں کرتا۔ اس لئے کہ ایسے افراد جو نفس کو مہذب بنانے میں کامیاب نہیں ہوئے، ان کو اس مسند پر فائز کرنا، انہیں نفسی قوتوں کے حوالے کرنا اور تصوف واہل تصوف کو متنازعہ بنانے کے مترادف ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں صوفی، بزرگوں کے تسلسل کا پابند ہوتا ہے اور بزرگوں کے واقعات بھی اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ ایک واقعہ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی کا ہے کہ آپ سے آپ کے فرزند نے کہا کہ ابا جان مجھے خلافت عطا فرمایئے۔ حضرت سہروردی نے فرمایا کہ کل آنا، جب وہ اگلے دن خدمت میں حاضر ہوئے تو خود ہی عرض کی کہ میں خلافت کے مطالبہ سے دستبردار ہوتا ہوں، میں اس ذمہ داری کے قابل نہیں، آپ نے پوچھا کہ کیا آپ نے رات خواب میں کچھ دیکھا ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا، فرمایا، کیا دیکھا ہے، بتایا کہ میں نے دیکھا کہ فرشتے دو صاحبوں کو جہنم کی طرف لے جارہے تھے، میں نے پوچھا کہ ان کو کس جرم

میں لے جارہے ہیں۔ فرشتوں نے کہا کہ ان میں سے ایک فلاں بزرگ ہیں، دوسرے اس کے خلیفے، بزرگ کا جرم یہ ہے کہ اس نے نااہل فرد کو خلافت دی، اس کے خلیفہ کا جرم یہ ہے کہ اس نے خلافت کو دولت ودنیا کمانے کے لئے استعمال کیا۔

یہ واقعہ حضرت فرید الدین شکر گنج کی ملفوظات کی کتاب ''اسرار الاولیاء'' سے ماخوذ ہے، ملفوظات کی اسی کتاب میں آپ نے دوسرا واقعہ بھی لکھا ہے، فرماتے ہیں میں ایک بزرگ کی خانقاہ میں گیا، بزرگ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا فقیر، بیٹھ جاؤ، میں ابھی بیٹھا ہی تھا تو ایک صاحب آئے، اس نے کہا، حضرت، میں نے آپ کے فلاں خلیفہ کو مختلف مالداروں کی مجلس میں بیٹھے ہوئے دیکھا ہے، آپ نے حکم دیا کہ اسے تلاش کرکے یہاں لایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، آپ نے معاملہ کی پوری تحقیق کے بعد حکم دیا کہ اس کا جبہ اتار کر اسے آگ کی نذر کیا جائے، اور اس کے بعد آپ نے اسے تنبیہ کی کہ آئندہ وہ اس کی مجلس میں نہ آئے۔''

بزرگوں کے اعتماد کو مجروح کرنے کی یہی سزا ہوتی ہے۔

(۶۹) صوفی کی زندگی اس اعتبار سے بھی عجیب وغریب ہوتی ہے کہ ذکر وفکر کے مجاہدوں کے ساتھ ساتھ اسے جسمانی مجاہدوں سے بھی گذارا جاتا ہے۔ یہ جسمانی مجاہدے یا تو غیر اختیاری ہوتے ہیں، یا اختیاری۔ غیر اختیاری مجاہدوں میں مالی تنگی، بیماریاں اور مالی نقصان وغیرہ شامل ہوتی ہیں، اختیاری مجاہدوں میں متوسط صوفی کو روحانی استاد اس کی انانیت کی بیماری کے ازالہ کے لئے اس پر بعض پابندیاں عائد کرتا ہے۔ اس کے بغیر متوسط صوفی کے خود پرستی کے جذبات کی بیماری کا قلعہ قمع نہیں ہوتا، اس دور کے ایک صوفی جو بڑے مفتی بھی ہیں۔ انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی روئداد بیان کی ہے۔ ان کی بیان کردہ یہ روئداد ایسی ہے، جو جدید دور کے اہل علم واہل دانش اور مفتیاں عظام کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ ان کی روئداد کی اہمیت کے پیش نظر ہم یہاں اس کا ایک حصہ نقل کر رہے ہیں۔ یہ روئداد حضرت مولانا مفتی

محمد رفیع عثمانی مدظلہ کی ہے، جو دارالعلوم کے رسالہ ''البلاغ'' کے نومبر ۲۰۱۵ء کے شمارے میں شایع ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں۔

''نیز والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی سے بیعت ہوجاؤ، اصلاحی تعلق قائم کرو۔ ہم نے حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے رسالہ ''قصد السبیل'' کا مطالعہ کیا۔ اس میں لکھا ہے کہ شیخ کا انتخاب کیسے کریں؟ کیسے بزرگ کو اپنا شیخ اور مرشد بنایا جائے؟ تو اس کتاب میں یہ بھی ہے کہ شیخ سے عقیدت بھی ہو اور طبعی مناسبت بھی ہو۔ ہم ماشاء اللہ پانچ بھائی تھے۔ سب نے الگ بھی اور ایک ساتھ بھی والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ ہمیں سب سے زیادہ عقیدت بھی آپ سے ہے اور مناسبت بھی آپ سے ہے، آپ ہمیں بیعت کر لیجیے۔ وہ ٹلا دیتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے فلاں خلیفہ ہیں، ان سے بیعت ہوجاؤ۔ اُس وقت حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے بہت سارے خلفاء زندہ تھے، لاہور میں حضرت مفتی محمد حسن رحمتہ اللہ علیہ، ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ، ٹنڈو الہ یار میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ، کراچی میں حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمتہ اللہ علیہ، مگر وہ ٹلاتے چلے گئے۔

۱۹۶۶ء کی بات ہے کہ والد صاحب ایک سفر میں ساؤتھ افریقہ تشریف لے گئے، میں بھی ساتھ تھا۔

وہاں صبح سے شام تک معتقدین کا اجتماع رہتا تھا۔ جلسے، تقریریں اور وعظ کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ سخت سردی کا موسم تھا تو ایک رات بارہ بجے میں نے پھر عرض کیا کہ مجھے آپ بیعت کر لیجیے، مجھے آپ سے سب سے زیادہ عقیدت ومحبت اور مناسبت ہے۔ اس مرتبہ والد صاحب نے تفصیلی جواب دیا اور فرمایا، دیکھو ایسا بھی ہوا کہ بیٹے باپ سے بیعت ہوئے اور ان کو فائدہ بھی ہوا ہے، لیکن اس کے لیے باپ کو بھی بہت احتیاط کرنی پڑتی ہے اور بیٹے کو بھی۔ اور باپ بیٹے کا تعلق بے تکلفی

کا ہوتا ہے۔ اور پیرومرشد کے ساتھ ابتدا میں بے تکلفی مفید نہیں ہوتی۔ اس واسطے جہاں تک اصلاح نفس کا تعلق ہے وہ تو تم فوراً شروع کردو، میں تم کو کچھ معمولات بتاتا ہوں، وہ کیا کرو، لیکن بیعت تم ہوجاؤ ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ سے، جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلفا میں سے وہ اور والد صاحب رہ گئے تھے۔ فرمایا کہ وہ تمہارا خاص طور سے خیال کریں گے، مجھ سے وہ محبت فرماتے ہیں۔

اور جو بڑی عجیب بات فرمائی، وہ علماء کے سننے کی ہے، فرمایا، ایک فائدہ اُن کے ہاتھ پر بیعت کا یہ ہوگا کہ اگر دماغ میں علم کا کچھ خناس ہوگا تو وہ بھی نکل جائے گا، کیونکہ وہ ضابطے کے عالم نہیں ہیں، وہ ڈاکٹر ہیں، علی گڑھ میں پڑھا ہے، علی گڑھ میں ایل ایل بی کیا تھا۔ پھر اس کے بعد وکالت کی، پھر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے، پھر رفتہ رفتہ وکالت چھوڑ دی اور ہومیوپیتھک ڈاکٹر بن گئے اور آخر تک وہی ذریعہ معاش رہا۔ تو فرمایا ان سے بیعت کرنے سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ جب تم غیر عالم کے سامنے مرید بن کر بیٹھو گے تو دماغ میں اگر علم کا کوئی خناس ہوگا تو وہ بھی نکل جائے گا۔

اور یہ خناس ہوتا ہے، طلبہ جب فارغ التحصیل ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم علماء ہوگئے، علمائے حق۔ حق بھی ''موٹے قاف'' کے ساتھ کہتے ہیں۔ جب رذائل کا علاج ہوجاتا ہے تو پھر علماء بنتے ہیں، ستارے بنتے ہیں، مہتاب بنتے ہیں۔ پھر نبوت اور قرآن وسنت کا نور پھیلاتے ہیں۔ ان رگڑوں سے گذرتے ہیں، رگڑے کھانے پڑتے ہیں۔

خیر والد صاحب ہم کو حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی قدس اللہ سرہ کے پاس لے گئے۔ حضرت نے بڑی خوشی کا اظہار کیا، لیکن فرمایا کہ میں آج بیعت نہیں کروں گا۔ اکیلے خود آئیں تو پھر بیعت کروں گا۔ پیش نظر یہ تھا کہ باپ کے دباؤ میں آکر

سبقت نہ کریں۔ اپنے شوق سے آ کر بیعت کریں تو بیعت ہوگی۔

ہر باپ کے اپنے بیٹے پر احسانات ہوتے ہیں اور ہمارے والد صاحب تو چیز ہی کچھ اور تھے۔ ان کے کتنے احسانات ہیں مجھ پر!!! ان احسانات میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ہمارا ہاتھ ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دے گئے، یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ میں بتا نہیں سکتا۔ خیر اگلے دن جا کر ہم بیعت ہوئے، حضرت نے کچھ معمولات بتائے۔

والد صاحب کی جب وفات ہوگئی، جنازہ تیار تھا، چارپائی بچھی ہوئی تھی، میں چارپائی کے کنارے کھڑا تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب بھی وہیں کھڑے تھے۔ میں نے کہا، حضرت آپ کی موجودگی میں ہم اپنے آپ کو یتیم نہیں سمجھیں گے۔ اگر کوئی اور ہوتا تو کہتا ''ہاں ہاں بالکل'' حضرت نے چند لمحے سوچا، پھر فرمایا، انشاء اللہ، میں اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔ پھر وہ مرد مومن تھا، جس نے والد صاحب کے انتقال کے بعد پورے دس سال تک وہ حق ادا کیا۔ وہ شیخ اور مربی بھی تھے اور باپ کا کردار بھی اس شخص نے ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی شفقتوں کی داستان بہت طویل ہے۔

ایک اور بات آپ سے عرض کرتا ہوں۔ حضرت کی خدمت میں رہتے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ ایک دن فرمانے لگے: ''بھئی آپ تقریر نہ کیا کریں۔'' اس زمانے میں ہماری تقریریں بہت ہوتی تھیں۔ میں دارالعلوم کراچی کا مہتمم تھا، درجہ علیا کا استاد تھا، مسلم شریف پڑھاتا تھا، اخبارات میں اشتہارات چھپتے تھے۔ ریڈیو پر بھی تقریریں ہوتی تھیں۔ تو فرمایا، بھائی آپ تقریریں نہ کیا کریں۔ اب ہم میں پوچھنے کی ہمت نہیں۔ اگلے ہفتے ہم پھر مجلس میں گئے تو پھر فرمایا، بھائی تقریر نہ کیا کریں۔ ہم نے کہا، لوگ ہماری تقریر کے لیے آتے ہیں، اصرار کرتے ہیں، مانتے ہی نہیں۔ حضرت نے فرمایا: انہیں میرے پاس بھیج دیا کرو۔ بس دارالعلوم میں رہا کرو اور

دارالعلوم میں جمعہ کی تقریر جاری رکھو۔ طلبہ سے خطاب کر لیا کرو، لیکن باہر نہ جایا کرو۔ ریڈیو والے آئے تو انہیں بھی منع کر دیا۔

ہمیں تعجب ہوتا تھا کہ اتنے نیک کام سے منع کر رکھا ہے۔ میں نے ایک مضمون لکھا ''فقہ اور تصوف، ایک تعارف'' اب کتابی شکل میں چھپ گیا ہے۔ اس کا مسودہ میرے پاس تھا۔ حضرت مولانا مفتی جمیل رحمتہ اللہ علیہ جو روزنامہ ''جنگ'' کے اسلامی صفحے کے مدیر تھے، وہ آ کر لے گئے اور جنگ میں چھاپ دیا۔ میں پیر کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا بھئی مولوی صاحب! اخبارات میں بیان بھی نہ دیا کریں۔ اخبارات میں بیان دینے کا کیا فائدہ؟

تقریباً ایک سال اسی طرح گزر گیا کہ ہم کسی تقریب میں نہیں گئے۔ ایک دن مغرب کی مجلس ختم ہو چکی تھی۔ حضرت نے فرمایا، نماز کے بعد ٹھہر جانا۔ ہم ٹھہر گئے، حضرت نماز کے بعد گھر تشریف لے گئے اور بہت سارے خطوط لے کر آئے۔ یہ سب مدینہ طیبہ سے آئے تھے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمتہ اللہ علیہ کے خطوط تھے۔ فرمایا: حضرت نے یہ میرے پاس بھیجے ہیں اور یہ سارے خطوط تم دونوں بھائیوں کے بارے میں ہیں۔ حضرت مولانا زکریا رحمتہ اللہ علیہ اتنے مصروف، اتنے مریدین، مشاغل اور اسفار۔ اتنی بات تو ٹھیک ہے کہ والد صاحب جب حیات تھے تو ہمیں ان کے پاس لے جاتے اور جب وہ کراچی آتے تو حضرت والد صاحب سے ملنے آتے اور مجھے تمام کتب کی اجازت بھی عطا فرمائی تھی، لیکن یہ تصور نہیں تھا کہ وہ ہم سے اتنی محبت فرماتے ہیں۔ اتنے سارے خطوط ہم دونوں بھائیوں کے بارے میں لکھے ہیں۔

ہم سے حضرت والا نے فرمایا، پڑھ لو۔ جب پڑھا تو مضمون سب کا ایک ہی تھا کہ مجھے بڑی خوشی ہے یہ صاحبزادے آپ کی زیر تربیت ہیں، آپ سے درخواست ہے کہ ان پر خصوصی توجہ فرمائیے گا۔ مجھے ان کے بارے میں ''کبر'' کا

اندیشہ ہے۔ اور اندیشہ بالکل بجا تھا۔ کیونکہ عام طور سے بڑوں کی اولاد میں صاحبزادگی کا مزاج پیدا ہوجاتا ہے۔ پھر حضرت عارفی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ''مولوی صاحب! میں نے آپ کے اوپر جو تقریر کی پابندی لگائی ہے، وہ اس لیے کہ آپ لوگوں کو ابھی بلوغ نہیں ہوا۔'' اس وقت میری عمر پچاس سال تھی، تدریس کرتے کرتے تقریبا ۳۰ سال گزر چکے تھے۔ تو فرمایا: ''ابھی تک بلوغ نہیں ہوا۔ جب بلوغ ہوگا تو پھر ان شاء اللہ کسی کے منع کرنے سے بھی نہیں رکیں گے۔'' اس کے بعد الحمدللہ ہم نے پورے دس سال تک اس کی پوری پابندی کی۔

ایک مرتبہ فیصل آباد سے ہمارے شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد رحمتہ اللہ علیہ کا میرے پاس ٹیلیفون آیا۔ وہ بھی حضرت سے اصلاحی تعلق رکھتے تھے اور حضرت ڈاکٹر صاحب نے ہم دونوں کو ایک ساتھ اجازت، خلافت عطا فرمائی تھی۔ ان کا فون آیا کہ بھئی، ہم فلاں موقع پر جلسہ کررہے ہیں، آپ ضرور آئیں۔ میں نے کہا آپ کو معلوم ہے کہ ہم پر پابندی ہے، ہم نہیں آسکتے۔ فرمایا، نہیں، حضرت سے میں بات کرلوں گا۔ میں نے کہا، آپ جانیں، آپ کا کام جانے، مگر ان سے بات کرتے وقت میرا نام نہ لیجیے گا۔ میں آپ سے نہیں کہہ رہا کہ حضرت سے بات کرو۔ کہا نہیں نہیں، میں بات کرلوں گا۔ میں نے کہا، بار بار کہہ رہا ہوں، میرا نام نہ لینا۔ پھر جب میں پیر کو مجلس میں پہنچا، مجلس ہوگئی، مغرب کے بعد حضرت نے فرمایا: ''مولوی رفیع (اچھا، ایسے پیار سے کہتے مولوی رفیع!!!) مولوی نذیر کا فون آیا تھا، وہ جلسہ کرنا چاہ رہے ہیں۔ اپنا آدمی ہے، چلے جاؤ!!! ماشاء اللہ بڑا اچھا کام کررہے ہیں۔ مدرسے میں چلے جاؤ۔''

ابھی جلسے میں کچھ دن تھے، بیچ میں کئی مجالس اور بھی آئیں۔ اب جانے کے بارے میں ہدایات دی جارہی ہیں کہ وہاں جاؤگے نا، تو ایک بات کا خیال رکھنا۔ فرمائشی تقریریں کبھی نہ کرنا۔ مطلب یہ تھا کہ فرمائش ہوتی ہے کہ فلاں موضوع پر

آپ تقریر کردیں۔ نہیں، فرمائشی تقریر کبھی نہ کرنا۔ اور رسمی تقریریں کبھی نہ کرنا کہ بہت اچھا اور بڑا مدرسہ ہے۔ بہت خوشی ہوئی، مبارک ہو۔ جو رسمی باتیں ہوتی ہیں، رسمی تقریریں ہوتی ہیں، وہ کبھی نہ کرنا۔ جہاں جاؤ، یہ دیکھو زخم کہاں ہے؟ وہاں مرہم لگاؤ۔ اور دیکھو، جانے سے پہلے یہ دعا بھی پڑھ لینا، راستے میں یہ دعا پڑھنا، تقریر کرتے وقت یہ دعا پڑھنا۔ جب تم سفر پر جاؤ تو دو رکعت صلاۃ السفر پڑھنا۔ پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھنا، دوسری میں فلاں۔ یہ سکھا کے، سبق پڑھا کے بھیجا۔ یہاں سے دس سال کے بعد پابندی ہٹی۔'' (البلاغ کراچی نومبر ۲۰۱۵ء)

(۷۰) صوفی اگر عالم دین بھی ہے اور اپنے دور کے علمی، نظریاتی اور عملی نوعیت کے فتنوں سے بھی پوری طرح آشنا ہو تو ایسا صوفی مختلف محاذوں پر دعوت اسلام اور فروغ اسلام کے لئے غیرمعمولی کارنامے سرانجام دیتا ہے۔ باطنی اصلاح اور بےنفسی کی وجہ سے اس کی تقریر وتحریر اور گفتگو میں تاثیری صلاحیت پیدا کردی جاتی ہے۔ اس پر اشیاء کی حقیقت کھول دی جاتی ہے۔ اس کی شخصیت میں محبوبیت کی شان پیدا کردی جاتی ہے۔ اس کے سینے سے علوم پھوٹ کر نکلنے لگتے ہیں۔ اس کی آواز معاشرہ کے ہر طبقہ میں سنجیدگی سے سنی جاتی ہے۔ اس دور میں اس کی مثال مولانا سید ابوالحسن ندویؒ ہیں، جو روحانیت، علم دین اور جدیدیت کے فہم ان تینوں صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے۔ اللہ نے ان سے وہ کام لیا، جو بڑے بڑے اداروں کے کرنے کا ہوتا ہے۔ اس طرح کا صوفی ہی معاشرہ میں ہلچل برپا کرنے اور جدید افراد میں نئے زاویے سے سوچنے کی رَو پیدا کردیتا ہے۔

(۷۱) موجودہ دور میں امت کو جو چیلنج درپیش ہیں، اس سے عہدہ برآ ہونے کی صورت یہ ہے کہ ملت کے باصلاحیت افراد صوفی سے تزکیہ اور باطنی بیماریوں کی اصلاح کے لئے رجوع ہوں، جب وہ آتش عشق سے جل کر نکلیں گے تو سراپا سونا

بن جائیں گے اور اپنی شخصیت سے اسلام اور ملت کو غیر معمولی نفع پہنچانے کا ذریعہ بنیں گے۔ اس لئے کہ تزکیہ کے بغیر فرد وافراد کی مثال ان وبائی مریضوں کی سی ہوتی ہے، جو دوسروں سے رابطہ کے نتیجہ میں اپنے مرض کو دوسروں میں منتقل کرنے کا موجب بنتے ہیں۔

موجودہ دور اس وقت امت کے باصلاحیت افراد کو جھنجھوڑ کر کہہ رہا ہے کہ وہ امت کے تحفظ اور بقا کے کام کے لئے تیار ہوں، لیکن اس سے پہلے نفسی قوتوں کے خلاف مجاہدوں کے کام کو ترجیح دیں، تاکہ تحفظ اسلام کے کام میں قدم قدم پر نفسی قوتیں رکاوٹ نہ بنیں اور اشتعال، بے صبری اور خود اعتمادی کا بحران اس کام کو زیر وزبر نہ کردے۔

(۷۲) صوفی کی نظر میں موجودہ دور، دجالی تہذیب کے عروج کا دور ہے، دنیا میں بالخصوص مغربی دنیا میں مکر وفریب کے حامل لاکھوں کروڑوں شخصیتیں پیدا ہوگئی ہیں، جو پوری دنیا میں فساد برپا کرنے کے لئے کمر بستہ ہیں۔ ان لاکھوں کروڑوں چھوٹے چھوٹے دجالوں نے اس بڑے دجال کے لئے بڑی حد تک راہیں ہموار کردی ہیں۔ حقیقی دجال مکر وفریب کی حامل ان کروڑوں افراد کے پیدا کردہ مادہ پرستی کے فضا ہی سے جنم لے گا۔

اس لئے دجالی تہذیب کے اس عروج کے دور میں افراد امت کی پہلی ترجیح یہ ہونی چاہئے کہ وہ چھوٹے چھوٹے کروڑہا دجالوں کے پیدا کردہ مادہ پرستی کے ماحول اور اس کے ہولناک اثرات سے بچنے کی سعی کریں اور اس سلسلہ میں اپنے باطن میں اتنی مدافعانہ قوت پیدا کریں کہ مادی زندگی کی اداؤں سے انکار کریں۔ سادگی اور کفایت شعاری سے زندگی گذارنے کے سلیقہ سے آشنا ہوں، اخلاق حسنہ کے حامل ہوں، رواداری، محبت اور معاشرہ کے پسماندہ طبقات کو سہارا دینے کی صلاحیت کے

حامل ہوں۔ ان صفات کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں دعوت اسلام اور فروغ اسلام کے لئے ہونے والے کاموں میں دامے درمے سخنے تعاون کا کردار ادا کریں۔ نیز کفر کی عالمی قوتوں کے سازشوں کے ردعمل میں توازن وحکمت کا دامن ہرگز نہ چھوڑیں۔

یہ ساری صلاحیتیں صوفی کی صحبت سے ہی پیدا ہوسکتی ہیں، اس لئے کہ کپڑوں پر رنگ چڑھانے کا کام رنگ ریز ہی سرانجام دیتا ہے۔ دوکاندار (جس سے رنگ لیا جاتا ہے) وہ یہ کام نہیں کرتا، کتابی علم سے شخصیت پر صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) مستحکم نہیں ہوتا، بلکہ اہل اللہ کی صحبت ہی یہ رنگ مستحکم کرتی ہے۔

(۷۳) صوفی دینی خدمت کے ایک بڑے محاذ پر سرگرم عمل ہے۔ وہ محاذ افراد کے تزکیہ اور اخلاقی وروحانی تربیت کا کام ہے، یہ کام ایسا ہے، جس کی اہل علم، اہل دانش، اہل دعوت، اہل سیاست، صاحبان تصنیف وتالیف غرض کہ معاشرہ کے ہر طبقہ کو اس کی ضرورت ہے، تزکیہ اور اخلاقی وروحانی تربیت کے بغیر یہ سارے طبقے معاشرہ میں فساد پھیلائے بغیر رہ سکیں، دشوار ہے۔ معاشرہ کے موجودہ فساد کا سب سے بڑا محرک یہی ہے کہ تزکیے اخلاقی وروحانی تربیت اور ہولناک باطنی بیماریوں کے معالجہ کے بغیر علمی، دعوتی سیاسی اور سماجی نوعیت کے کام ہاتھ میں لیے جاتے ہیں۔ اور ادارے قائم کرکے یہ کام شروع کردیئے جاتے ہیں۔ تزکیہ سے بے نیازی کی وجہ سے یہ سارے کام یا تو استقامت سے محروم ہوتے ہیں یا وہ افراد کی انانیتوں کے ٹکراؤ کا شکار ہوجاتے ہیں۔

افراد ملت اس حقیقت کا جتنا جلد ادراک کریں، بہتر ہے، ورنہ اسلام اور ملت کی بقا کے نام پر ہونے والی ساری جدوجہد کا یہی حشر ہوگا جو اس وقت ہورہا ہے۔

(۷۴) صوفی کی ایک بڑی ادا یہ ہے کہ فنائیت کے مزاج کے غلبہ کی وجہ

سے وہ اپنے کام کے سلسلہ میں نہ صرف پبلسٹی سے اور ذرائع ابلاغ کو اختیار نہیں کرتا، بلکہ وہ پبلسٹی کو اپنی شہرت کا ذریعہ سمجھتا ہے اور شہرت کو وہ اپنے لئے خطرہ سمجھتا ہے۔ جب کہ معاشرہ کے دوسرے طبقات کے کام کا انحصار ہی پبلسٹی پر ہوتا ہے۔ کام کم ہوتا ہے، پبلسٹی زیادہ ہوتی ہے۔ صوفی چاہتا ہے کہ خاموشی سے کام ہو، اسی کام میں برکت ہوتی ہے۔ ورنہ پبلسٹی کے پیچھے پڑنے یا پبلسٹی کو ہدف بنانے کی وجہ سے جو خطرہ درپیش ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ صوفی کو دوسروں کی طرح کہیں انہی مادی حوالوں کے نذر نہ کردیا جائے۔ اس خطرہ کے پیش نظر صوفی کا دل اشتہارات اور پبلسٹی کے حوالے سے بالکل سرد ہوتا ہے، وہ ان چیزوں کو اپنے لئے اور اپنے کام کے لئے بے برکتی کا موجب سمجھتا ہے۔

صوفی کی نظر میں جدید دور کا درگاہی نظام، جس میں عام طور پر بزرگوں کے نام پر ان کی اولاد گدی نشین ہے، کی کچھ خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) اپنی دولت اور املاک کی فکر کا ہونا۔

(۲) بھائیوں سے املاک وجائداد پر تنازعات کا ہونا اور کورٹ میں مقدمات اور قتل تک کی نوبت کا پہنچنا۔

(۳) خلفاء کے ذریعہ اپنے کشف وکرامات، تصرفات اور بزرگی کی تشہیر کی کاوشوں کا ہونا۔

(۴) مریدوں میں اضافہ کے لئے خصوصی کوششوں اور فکرمندی کا ہونا۔

(۵) امت کے مسائل سے بے نیاز ہونا، اور اس کے لئے دولت کا معمولی حصہ بھی خرچ نہ ہونا۔

(۶) مریدوں کی تربیت کی صلاحیتوں اور اس کی فکر سے قاصر ہونا۔

(۷) وڈیروں، اور نوابوں کی سی شان ومان کے ساتھ رہنا۔

(۸) لوگوں سے ملنے سے گریزاں ہونا۔

(۹) نگاہوں پر محنت کرکے، ان میں چمک پیدا کرنا، اس چمک کے ذریعہ مریدوں پر اثر انداز ہونا۔

(۱۰) افراد کی دلوں میں ہلچل برپا کرنے اور انہیں اپنے حلقہ ارادت سے وابستہ رکھنے کے لئے تسخیری نوعیت کے وظائف کا سہارا لیتے رہنا۔

اکابر اہل اللہ کی خانقاہوں کا یہ حشر دیکھکر، حقیقی صوفی خون کے آنسو بہائے بغیر نہیں رہتا۔

(۷۵) صوفی کی نظر میں اہل اللہ پر اعتراضات اور انہیں شعوری طور مسترد کرنے والے افراد نہ صرف یہ کہ ان کے فیوض وبرکات سے محروم رہتے ہیں، بلکہ وہ عام طور پر اصلاح نفس، تہذیب نفس اور تزکیہ کے بحران کا شکار رہتے ہیں اور کبر کے امراض میں مبتلا رہتے ہیں، کبر کے امراض کے ساتھ خدمت دین کے محاذ پر پیش قدمی کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں، البتہ علمی وذہنی صلاحیتوں کی وجہ سے امت میں نئے گروہ ضرور جنم لیتے ہیں۔

(۷۶) پاکستانی ملت کے مؤثر طبقات نے خود پرستی، دولت پرستی، امت کے اجتماعی مفاد کی پامالی، غریبوں سے لوٹ مار اور دھوکہ دہی کی جو روش اختیار کی ہے، صوفی کی نظر میں یہ ملت پر اللہ کے سخت عتاب کی صورت ہے۔ اللہ کے اس عتاب سے نکلنے کے لئے ان موثر طبقات کو دعوتی کام کے ذریعہ جھنجھوڑنے کی ضرورت ہے۔

(۷۷) صوفی کی نظر میں پریشانی، مصیبت، غم، دکھ واذیت یہ سب نام ہے محبوب حقیقی سے دوری کا۔ فرد جوں ہی ذکر وفکر کے ذریعہ محبوب سے تعلق مستحکم کرنے لگتا ہے، دکھوں اور غموں کے بوجھ سے اسے نجات ملنا شروع ہوجاتی ہے۔

ذکر وفکر کا اسلحہ صوفی کا ایسا طاقتور ہتھیار ہے، جس کے ذریعہ وہ ہر نوع کی مادی نوعیت کی پریشانیوں اور نفسی وشیطانی قوتوں کی طرف سے پیش آنے والی

مصیبتوں سے معرکہ آرائی کرتا ہے اور اس میں اسے کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

صوفی کا زندگی بھر کا وظیفہ ہی یہی رہتا ہے، اس لئے کہ صوفی سمجھتا ہے کہ انسان نام ہے احساس کا، احساس پاکیزہ ہوجائے تو فرد کی زندگی پاکیزہ ہوجاتی ہے، احساس خراب ہوجائے تو اس احساس کو اللہ کے ذکر، مخلصانہ عبادت اور محبوب حقیقی سے راز ونیاز کے بغیر اس کی پاکیزگی ممکن نہیں۔ اب تک دنیا میں ایسی کوئی چیز وجود میں نہیں آئی ہے، جو انسان کے احساس کو پاکیزہ کرے، بلکہ قیامت تک اس طرح کی کوئی چیز وجود میں نہیں آسکتی۔ اس لئے کہ احساس نام ہے، روح اور دل کی محبوب کی اس تشنگی کا، جو اس کی گہرائیوں میں موجود رہتی ہے۔

روح اور دل کی اس تشنگی کو مادی چیزوں، مادی حسن، کثرت دولت اور جنس کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش لاحاصل ہے۔

ہمارا تجربہ ومشاہدہ ہے کہ جن افراد کو مادی سہولتوں اور لذتوں کا سامان وافر مقدار میں حاصل ہے، وہ سب سے زیادہ پریشان اور اذیت کا شکار ہیں۔

(۷۸) صوفی، محبوب کے ساتھ والہانہ محبت بذریعہ ذکر وفکر وعبادت واطاعت کو زندگی کی ساری مسرتوں کا حاصل سمجھتا ہے، اس لئے یہ چیزیں اس کے لئے وظیفہ زندگی بن جاتی ہیں۔

موجودہ دجالی تہذیب کے عروج کے دور میں جب کہ اس تہذیب کے علمبرداروں نے طاقتور جدید آلات اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ ہر ذہین وباصلاحیت فرد بلکہ عام فرد تک کو مادی زندگی اور مادی حسن کے مناظر سے متمتع ہونے کی راہ پر لگا کر، ان کی دل وروح کی صلاحیتوں کو مفلوج کر دیا ہے۔ اس طرح ان کے احساسات کو خوفناک حد تک ناپاک کر دیا ہے۔ ایسے دور میں ہر فرد کے لئے صوفی کا پیام یہی ہے کہ وہ اپنے آپ پر رحم کریں اور دجالی تہذیب کے علمبرداروں کا کھلونہ ہرگز نہ بنیں اور اہل اللہ کی صحبت میں آکر دل وروح کو اس کی

اصل غذا دینا شروع کردیں، اس طرح وہ محبوب حقیقی کی پناہ میں آکر، سعادت دارین کی راہ پر گامزن ہوں۔

(۷۹) صوفی کی آواز پر لبیک کہنے والے افراد ہی ہر طرح کے دکھوں، غموں، اور تکلیفوں سے بچ کر احساس کی پاکیزگی کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوسکیں گے۔ دوسرے افراد کے لئے اس نعمت عظمیٰ سے محرومی کے علاوہ کچھ بھی نہیں، اس لئے کہ محبوب کو صوفی کے مجاہدے اتنے عزیز ہیں کہ سکون واحساس کی پاکیزگی کی نعمت عظمیٰ اس کے ذریعہ ہی تقسیم ہونے کا فیصلہ فرمایا گیا ہے، یہ دولت صحیح معنیٰ میں کامل صورت میں تزکیہ، تہذیب نفس اور باطنی رزائل کے ازالہ کے بعد ہی ملتی ہے اور تزکیہ اور باطنی بیماریوں کا علاج صوفی ہی کرتا ہے۔ اور اس کی صحبتِ مسلسل سے ہی تزکیہ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

(۸۰) صوفی کی نظر میں پاکستانی ملت نے خدا سے بدعہدی کرکے، ایک دوسرے سے دھوکہ دہی اور فریب دہی کا معاملہ اختیار کرکے، قومی زندگی کو اپنی نفسی خرابیوں سے آلودہ کرکے، انسانی جوہروں سے آخری حد تک بے بہرہ ہوکر، ایک دوسرے کی تذلیل کی روش اختیار کرکے، معاشرہ پر فاسد سے فاسد تر قیادت کو مسلط کرکے اور نیکی کو قبول کرنے کی سعادت سے آخری حد تک محروم ہوکر، اللہ کے عتاب کو دعوت دی ہوئی ہے، اس لئے ہماری ساری اجتماعی زندگی فساد سے بھر گئی ہے۔ مظلوموں کی دادرسی کا نظام ختم ہوگیا ہے۔ غریبوں اور مسکینوں کی پرسانِ حال کا سسٹم باقی نہ رہا ہے، بلکہ غریبوں کو مزید غریب بنانے کی روش جاری ہے۔ رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں ہورہا ہے، سرکاری مشنری اخلاقی طور پر تباہی سے دوچار ہے۔

سیاستدانوں پر ایک ہی فکر غالب ہے کہ کسی طریقہ سے عالمی ساہوکار کی رضامندی حاصل کرکے، اقتدار پر فائز ہوا جائے اور حکومتی وسائل سے لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔

اپنی بدکاروں کی وجہ سے اللہ کے عتاب کو دعوت دینے والی قوم یا ملت کو سیاسی اور ہاتھوں کی کوئی تبدیلی اس عتاب سے بچا سکے، ممکن نہیں ہے، اس کی واحد صورت یہی ہے کہ قوم کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی جائے۔ انہیں اس روش کے دنیا وآخرت میں تباہ کن اثرات سے آشنا کیا جائے اور اس کے لئے معاشرہ کی سطح پر ہمہ گیر تحریک شروع کی جائے۔ صوفی کی نظر میں قوم کو تباہی سے بچانے کی اس کے علاوہ کوئی صورت موجود نہیں۔

صوفی کا افراد سے مطالبہ یہ نہیں ہے کہ وہ کاروبار اور ملازمت چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کریں، بلکہ اس کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کی محبت میں شامل ہو کر روزانہ اللہ کے ذکر کا ایک سے ڈیڑھ گھنٹہ تک کا معمول بنائیں۔ ۲۴ گھنٹے میں گھنٹہ ڈیڑھ کوئی بڑی بات نہیں ہے، اور ساتھ ساتھ صحبت ورابط کا بھی اہتمام کریں۔

اس سے ان کی باطنی وظاہری تبدیلی کا عمل غیر معمولی طور پر تیز ہوگا اور زندگی سراپا خوشگوار ہوگی اور خلاف شرع ساری چیزوں سے چھٹکارے کی صورت پیدا ہوتی جائے گی۔

(۸۱) صوفی دراصل نور نبوت کے اجزاء کا وارث وامین ہوتا ہے، جو صحابہ کرام کی صحبت کے ذریعہ تابعین کرام، تبع تابعین کرام اور بزرگان دین کی مسلسل صحبت، ان کے طویل عرصہ کے ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں اور تزکیہ نفس کی بدولت اسے حاصل ہوتے ہیں۔ نور نبوت کے یہ اجزاء سینہ بسینہ منتقل ہوتے ہیں اور ان صوفیا کو عطا ہوتے ہیں، جو اہل اللہ کی صحبت کے ذریعہ آتش عشق میں جلنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔

صوفی کی صحبت کے ذریعہ زندگیوں میں حقیقی اور معنوی تبدیلی کا بنیادی سبب نور نبوت کے اجزاء ہی ہوتے ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے صحابہ کرام میں منتقل ہوئے ہے۔

صحبت کے اسی تسلسل سے یہ وراثتی اثرات اب تک منتقل ہو رہے ہیں۔ نور نبوت کے ان اجزاء کی منتقلی کی سب سے بہتر صورت یہ ہوتی ہے کہ چونکہ صوفی فقر محمدی کے اجزاء کا حامل ہوتا ہے۔ زہد اور دنیا سے بے نیازی اس کا وظیفہ بن جاتا ہے، وہ اخلاص حسنہ سے مزین ہوتا ہے، شریعت اس کا دستور العمل بن جاتی ہے۔ اس کی صحبت اختیار کرنے سے دنیاوی نقش ونگار مٹنے لگتے ہیں اور اللہ کا ذکر غالب سے غالب تر ہونے لگتا ہے۔

جس صوفی کی صحبت سے نور نبوت کے اجزاء حاصل ہوتے ہوں، شریعت پر عمل پیرا ہونا آسان ہوتا ہو، انسانی جوہروں سے بہرہ وری ہوتی ہو۔ اس صوفی سے دوری اختیار کرنا، اسے اسلامی مزاج کے منافی قرار دینا، اسے شومیٔ قسمت کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

(۸۲) صوفی کو قرآن وسنت پر غور وفکر، اور بزرگان دین کی صحبت سے نور نبوت کے اجزاء کے ذریعہ اسلام کے جو اہداف ملے ہیں، وہ یہ ہیں: تجدید ایمان کی صورت کا پیدا ہونا، اللہ سے والہانہ محبت کے ذریعہ فطرت کے پاکیزہ جذبات اور محبت کو ارتقائی صورت دینا، اسلامی شریعت کے ہر حکم پر عمل پیرا ہونے کے لئے مستعد وحساس ہونا، اخلاق حسنہ کا حامل ہونا، باطنی رزائل سے نجات حاصل کرکے، افراد معاشرہ کو نفسی خرابیوں سے آلودہ ہونے سے بچانا، خدمت دین اور خدمت خلق کے کاموں کو وظیفہ بنانا، افراد کی اصلاح کے ذریعہ معاشرہ کی اسلامی تشکیل نو کا کام کرنا، اور خارجی باطل سے مقابلہ کے لئے افراد کی ایمانی احساسات کو بیدار سے بیدار تر کرنا، وغیرہ۔

اسلام کی یہ ترتیب اور اس کے یہ اہداف ایسے ہیں، جو صحابہ کرام اور تابعین سے لے کر لاکھوں علمائے ربانی کے تسلسل کا نتیجہ ہیں۔

ریاست اور معاشرہ میں باطل اور بُرائی کی قوتوں کی فروغ پذیری اور ہمہ گیر

فساد کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ فرد جو ریاست ومعاشرہ کی بنیاد ہے، اس کی اصلاح کے کام کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یا اسے برائے نام اہمیت دے کر، دین کے حوالے سے بعض دوسرے کاموں کو فیصلہ کن اہمیت دی جاتی ہے، جس کی وجہ سے افراد کی اصلاح کے مرکزی نکتہ اور معاشرہ کی اسلامی تشکیل نو کے کام سے توجہ ہٹ جاتی ہے، اس طرح نہ تو افراد کی اصلاح ہو پاتی ہے، نہ معاشرہ کی اور نہ ہی ریاست کی۔

اگر افراد کی اصلاح کے کام کو فیصلہ کن اہمیت دی جائے اور اس سلسلہ میں صوفی کی صحبت سے استفادہ کیا جائے تو اس سے ریاست اور معاشرہ کو افراد کی خرابیوں سے بچاؤ کی صورت بھی پیدا ہوسکتی ہے اور ساتھ ساتھ معاشرہ کی اسلامی بنیادوں پر تعمیر کا کام بھی زیادہ بہتر اور مؤثر صورت میں ہوسکتا ہے۔ صوفی اس سلسلہ میں صدائیں دیتا رہتا ہے، لیکن بدقسمتی سے ذہین وباصلاحیت افراد صوفی کی یہ صدائیں سننے کے لئے تیار نہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ایسے باصلاحیت افراد جو تزکیہ کے مراحل سے گزرے بغیر اسلام کی وکالت کے محاذ پر کھڑے ہوتے ہیں، وہ اپنی باطنی خرابیوں، بدخلقی، اور تندخوئی کی وجہ سے اسلام کے نام پر افراد کو مزید دور کرنے کا موجب بن جاتے ہیں۔

(۸۳) صوفی کی نظر میں مولوی اگر نفسی قوتوں کی اصلاح کے لئے اہل اللہ کی صحبت اختیار نہ کرے گا تو اس کے علم وعمل میں مطابقت پیدا نہ ہو سکے گی اور اس کا باطن اس کے علم کا ساتھ نہ دے سکے گا، اس طرح نہ صرف یہ کہ اس کی زندگی خیروبرکت سے محروم رہے گی، بلکہ وہ امت کی صحیح دینی خطوط پر رہنمائی کرنے اور اس کی شخصیت، امت کے لئے باعث خیر بننے کی سعادت سے بھی بہرہ ور نہ ہو سکے گی۔

صوفی کی صحبت سے اخلاص وللھیت وبےنفسی کے ملکہ کے استحکام سے پہلے مولوی کا علم بعض اوقات خود اس کے لئے قابل رحم ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ

باطن کی وسیع دنیا سے ناآشنائی کی وجہ سے وہ اس علم کے ذریعہ معاشرہ میں تقسیم پیدا کرنے اور لوگوں کو ہر صورت میں اپنے ساتھ وابستہ رکھنے کے جذبات سے سرشار ہوتا ہے۔

وہ اپنی شخصیت کے نقش کو قائم رکھنے اور اپنی روزی پکی کرنے کے لئے ایسا کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اسے اس بات کا شعور ہو یا نہ ہو، لیکن عملا ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس کی واضح مثال مضاربہ اسکینڈل ہے، جس میں دیندار لوگوں کے اربہا روپے ڈوب گئے۔

اخلاص وللھیت کے جوہر سیکھنے کا ذریعہ اہل اللہ کی صحبت ہی ہے۔ جب صحبت کے ذریعہ نفسی بیماریوں اور باطنی رزائل سے نجات کی صورت پیدا ہوتی ہے تو مولوی کے علم میں نور معرفت اور نور بصیرت شامل ہوجاتی ہے۔ اب وہ اللہ کے نور سے دیکھنے لگتا ہے۔ اس کی حالت ''**اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله**'' والی ہوجاتی ہے۔ وہ خوداعتمادی سے بہرہ ور ہوجاتا ہے۔ اب افراد معاشرہ کی بجائے اس کی ساری توقعات اللہ کی ذات سے ہی وابستہ ہونے لگتی ہیں۔ اب وہ فقر وفاقہ اور معاشرہ میں نکو بننے اور افراد کا ساتھ چھوڑ دینے سے نہیں ڈرتا، اب اللہ، لوگوں میں اس کا رعب پیدا کردیتا ہے۔ اس کے علم وروزی میں برکت دیدیتا ہے اور اس کے دل کو غنی کردیتا ہے۔ اب افراد معاشرہ کو بدلنے کے سلسلہ میں اس کی جدوجہد نتیجہ خیز ثابت ہونے لگتی ہے۔ اس کی تقریر اور صحبت سے لوگوں کی زندگیاں بدلنے لگتی ہیں اور اس کا قائم کردہ ادارہ ومدرسہ خیر کے فروغ کا ذریعہ بن جاتا ہے، وسائل نہ ہوں تو اسے وسائل مہیا کردیے جاتے ہیں۔

(۸۴) صوفی، باطنی اصلاح اور معرفت نفس ومعرفت رب کے کام پر زیادہ زور دیتا ہے، اس لئے کہ وہ عرصہ تک نفس کے جن تجربات ومشاہدات سے گزر چکا ہے، وہ نہایت تلخ وسنگین ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ نفس کی مثال ایک بڑے بت

خانے کی سی ہے، جس میں چھوٹے چھوٹے سینکڑوں بت موجود ہیں، صحبت اہل اللہ اور ذکر وفکر کے مجاہدوں کے ذریعہ اس بت خانہ کے ٹوٹ پھوٹ کے بغیر اس کے لئے اس بت خانہ کے سامنے آئے دن سجدہ ریز ہونے سے بچاؤ کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

صوفی اس معاملہ میں غیر معمولی طور پر حساس ہوتا ہے۔ اس کی کوششوں، اس کی تحریر وتقریر کا سب سے بڑا ہدف افراد کو نفس پرستی کی قوتوں سے آشنا کرنا ہوتا ہے، اس معاملہ میں وہ ایک طرح سے معذور ہوتا ہے کہ اسے افراد کے لئے باطنی بیماریوں سے زیادہ ہلاکت خیز کوئی دوسری چیز نظر نہیں آتی۔

(۸۵) صوفی کی نظر میں ہماری نسلوں کے کردار کے دو پہلو ایسے ہیں، جس نے ان کی زندگی کو سراسر المیہ بنا دیا ہے اور مادہ پرست تہذیب پر فدائیت کی راہ پر لگا دیا ہے۔

کردار کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ وہ اخلاقی وروحانی جوہروں سے بے بہرہ ہیں۔ دوسری قوموں کے ہاں جو کاروباری وقومی اخلاق موجود ہے، ہماری نسلیں اس طرح کے اخلاق سے بھی محروم ہیں۔

دوسری چیز جس نے ہماری نسلوں کی زوال پذیری کی حالت میں غیر معمولی طور پر اضافہ کیا ہے، وہ علم وادب اور اپنے تہذیبی لٹریچر سے بیزاری کی روش ہے۔

مغربی قومیں کتابوں پر کتابیں تخلیق کررہی ہیں اور تلاش وتحقیق کی خاطر قربانیاں دے رہی ہیں۔ کتاب سے ان کا رشتہ نہایت گہرا ہے۔ جب کہ ہماری نسلیں کتاب بیزاری کی ساری حدود پھلانگ چکی ہیں۔ صحتمند کتابوں سے رشتہ جوڑنا اور صحتمند کتابیں تخلیق کرنا، ہماری تہذیب کا امتیازی نشان رہا ہے۔ اور ہماری امت اس معاملہ میں دنیا کی ساری قوموں سے آگے تھی، لیکن اب اس معاملہ میں نوجوان نسل کی حالت قابل رحم ہے کہ کتاب لکھنا تو دور کی بات ہے، کتاب سے پڑھنے کا

تعلق قائم رکھنا ہی اس کے لئے دشوار ہوگیا ہے۔ جب کسی قوم سے صحتمند کتاب کے مطالعہ کا رجحان ختم ہوجائے تو اس قوم کے لئے اپنے زوال کے اسباب کے فہم اور اس سے نکلنے کی ساری صورتیں مسدود ہوجاتی ہیں۔

صوفی، قوم کی اس المناک صورتحال پر اذیت کے شدید احساسات رکھتا ہے۔

(۸۶) صوفی کی نظر میں اس دور میں اہل علم، اہل دانش اور مؤثر طبقات میں جو افراد اپنی ذات سے دوسروں کی اذیت رسائی کی بجائے نفع رسائی کا باعث ہیں، اخلاق حسنہ کے مالک ہیں۔ فرائض کی بجاآوری کے معاملہ میں حساس ہیں، روزی کی جدوجہد میں دھوکہ دہی، رشوت، ملاوٹ، جھوٹ وغیرہ سے محفوظ ہیں، بُرائی سے نفرت رکھتے ہیں۔ اللہ سے مستحکم تعلق قائم رکھنے کے لئے کوشاں ہیں۔ دوسروں سے ہر ممکن حد تک خیر خواہی، رواداری اور محبت کا معاملہ کرتے ہیں، ایسے افراد اگر بظاہر کسی بزرگ سے متعلق نہ بھی ہوں تو وہ گویا ایک طرح سے درویش، فقیر اور صوفی ہی ہیں۔ اللہ نے ان کی فطرت سلیمہ کی حفاظت، بہتر تربیت یا ان کی کچھ اداؤں کی وجہ سے انہیں مادہ پرستی کے عالمگیر ماحول میں پاکیزہ انسانی اوصاف سے بہرہ ور کیا ہے۔ اللہ کے ولی کی صفات اور خصوصیات یہی ہیں۔ صوفی، مجاہدوں کے ذریعہ راہ سلوک کے جن مراحل سے گزر کر نفس پرستی کی قوتوں کو مات دیتا ہے، اللہ کا یہ ولی اگرچہ ان مراحل سے نہیں گذرتا، تاہم وہ فطرت سلیمہ کی حفاظت، خود احتسابی، اور نیک لوگوں کی صحبت کے ماحول میں رہنے کی وجہ سے نیکی کے بہتر مقامات پر فائز ہوجاتا ہے۔ البتہ اللہ کے اس ولی اور راہ سلوک کے مراحل سے گزرنے والے صوفی کے درمیاں ایک بنیادی فرق موجود ہے، وہ یہ کہ ایسا ولی نفس پرستی کی قوتوں کے مشاہداتی مراحل سے نہ گذرنے کی وجہ سے دوسروں کی تربیت کرنے اور انہیں نفسی قوتوں کے مراحل سے گذارنے کی صلاحیتوں کا حامل نہیں ہوتا۔ تاہم عملاً ایسا فرد بھی اہل اللہ ہی کے زمرے میں شمار ہے۔

اگرچہ معاشرہ میں اہل اللہ کی صحبت سے باہر اس طرح کی شخصیتیں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔لیکن بہرحال موجود ہیں۔

(۸۷) صوفی کی نظر میں اہل اللہ کی صحبت کا کوئی بدل ہی نہیں، اس کے بغیر عام طور پر دل کی گرہیں نہیں کھلتی،نفس کی وسیع دنیا کے مشاہداتی عمل سے گذرنے کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔محبوب حقیقی کے ساتھ فرد کی محبت کے بے پناہ لطیف جذبات کے مدوجزر سے گذر کر،ان جذبات کی تسکین کی صورت پیدا نہیں ہو پاتی۔نفس میں موجود درندوں کو مطیع کرکے،ظاہر وباطن میں توازن ومطابقت پیدا نہیں ہوتی، انسانیت کے حقیقی درد سے آشنائی نہیں ہوتی کہ اسے آداب انسانیت سے آگاہ کرکے،محبوب حقیقی کی قدردانی کی راہ پر گامزن کیا جائے،قرآنی فہم کے راستے نہیں کھلتے، اس لئے کہ باطنی خرابیوں کی موجودگی میں قرآن کے نور تک رسائی میں نفسی حجابات رکاوٹ بنتے ہیں۔

صحبت سے محرومی کا سب سے بڑا نقصان جو ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اخلاق درست نہیں ہوتے، صبح سے رات گئے تک افراد کی دل آزاری سے بچاؤ اور ان کی دل جوئی کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ اہل اللہ کی صحبت سے ان کے دل کے شعائیں منتقل ہوکر اور ذکر کا ذوق وشوق پیدا ہوکر،فرد وافراد میں انسانیت کے جملہ جوہر پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

(۸۸) صوفی کی نظر میں ذہانت کی ایک اعلیٰ اور لطیف قسم روح کی ذہانت ہے۔ غیرمعمولی مجاہدوں سے روح جب مادی کثافتوں اور نفسی قوتوں سے آزاد ہوجاتی ہے تو وہ لطیف سے لطیف تر ہوجاتی ہے اور روح پر محبوب حقیقی کی طرف سے ایسی ایسی باتیں القا ہوتی ہیں، جو اصلاح وتزکیہ اور دعوتی کام اور زندگی کے مسائل ومشکلات سے عہدہ برآ ہونے کے سلسلہ میں حکیمانہ نوعیت کی ہوتی ہیں۔ اگرچہ یہ ساری باتیں قرآن وسنت کی گہرائیوں میں موجود ہوتی ہیں۔لیکن قرآن وسنت کی

ان گہرائیوں تک رسائی کے سلسلہ میں نفس کے گہرے حجابات حائل ہوتے ہیں۔ روح کی لطافت سے جب یہ حجابات زائل ہوجاتے ہیں اور فرد وافراد پر ذہانت کا ایک نیا دروازہ کھل جاتا ہے، جہاں مادی عقل کی رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ اس لئے صوفی کا سب سے زیادہ زور روح اور دل کو نفس کی یرغمالی سے آزادی دلانے پر ہوتا ہے، تاکہ فرد کے روح پر اصل حقائق آشکار ہوسکیں اور اس کے لئے قرآن وسنت کی روح تک پہنچے کی رکاوٹیں دور ہوسکیں۔

(۸۹) صوفی کی نظر میں تصوف کی ابتدا انما الاعمال باالنیات ہے، یعنی نیت کی درستگی، نیت کی درستگی اور اخلاص وللھیت کے بغیر فرد وافراد کے سارے اعمال خطرات سے دوچار رہتے ہیں۔ اعمال،محض اللہ کے لئے ہوجائیں، یہ تصوف کی ابتدا ہے۔تصوف کی انتہا ان تعبداللہ کانک تراہ یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کروکہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، یہ تصوف کی انتہا ہے۔تصوف کی ساری ریاضتوں کا حاصل، سارے اعمال کا اللہ کے لئے ہونے کے احساس کا غالب ہونا اور اس ملکہ کا مستحکم ہونا اور اللہ کی عبادت واطاعت کے سلسلہ میں اللہ کے استحضار کا موجود ہونا ہے۔ یہی کل تصوف ہے۔تصوف کی ساری ریاضتوں کا مقصد فرد کی اس مقام تک رسائی ہے۔

صوفی کے بیان کردہ تصوف کی اس تشریح کے بعد تصوف پر ہونے والے سارے اعتراضات واشکالات ازخود ختم ہوجاتے ہیں۔لیکن چونکہ تصوف عملی اور مشاہداتی معاملہ ہے، اس لئے جو فرد تصوف کے سمندر میں داخل نہ ہوگا،تصوف کے بارے میں اس کے قیل قال واشکالات کا سلسلہ ختم ہوسکے،مشکل ہے۔

(۹۰) صوفی کی نظر میں نفس کی عدم اصلاح اور تزکیہ کا فقدان اپنے ساتھ سینکڑوں مسائل ومشکلات لاتا ہے۔ ہر وقت ذہنی دباؤ کا مسئلہ، مزاج میں عدم توازن کا مسئلہ، گفتگو میں بے احتیاطی کا مسئلہ، تھوڑی تھوڑی بات پر اشتعال،

گھبراہٹ، احساس کمتری واحساس برتری کا مسئلہ، دوست واحباب، عزیز واقارب اور اپنے ساتھ وابستہ افراد سے کشیدگی کا مسئلہ، احساسات کی نزاکت کا مسئلہ، غرض کہ تزکیہ کے بغیر فرد وافراد کو آئے دن اس طرح کے بے شمار مسائل سے واسطہ پڑتا ہے۔ یہ ساری دشواریاں اس کی زندگی کو زہریلی بنا دیتی ہیں۔

(۹۱) صوفی کی نظر میں موجودہ دور میں خدمت دین اور دعوت دین کا کام کرنے والی شخصیتیں اور جماعتیں قابل قدر اور لائق تعریف ہیں۔ ان کے کام کی وجہ سے جدید طبقات میں اصلاح کی کچھ نہ کچھ صورت پیدا ہورہی ہے۔ لیکن اولیاء کرام کی مخالفت کرنا اور ان کے کام کی تردید کرنا اور انہیں روح اسلام کے منافی قرار دینا، یہ بالکل بے جا بات ہے، اس لئے کہ جدید افراد کی ذہنی اصلاح کرکے، انہیں اسلام کے دروازہ پر کھڑا کرکے، ان کی تہذیب نفس اور تزکیہ کا کام اولیائے کرام ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔ یہ کام کتابوں اور وعظ ونصیحت کے دائرہ سے باہر ہے۔

کتابوں اور وعظ ونصیحت کی باتوں سے رسمی اور ضابطائی نوعیت ہی کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ دل کی اصلاح اور اخلاق حسنہ کا راستہ اولیاء کی صحبتوں ہی سے گذرتا ہے۔ اولیاء کی مخالفت کرکے، محض ذہنی اصلاح اور ضابطائی اصلاح کے ذریعہ افراد کو تعمیر معاشرہ اور احیائے اسلام کے کام کے لئے قیمتی اور مفید بنانا کار دارد ہے۔

یہ ایسا امر واقعہ ہے، جسے پچھلے سوسالہ تجربات نے دو اور دو چار کی طرح واضح کر دیا ہے۔

اپنی فکر اور طرز عمل میں اہل اللہ کی مخالفت کو حصہ بنانے کا جو نتیجہ نکلا ہے، وہ یہ ہے کہ جماعتیں اور تحریکیں دوراہے پر کھڑی ہیں۔ نہ تو وہ اپنے افراد کی بہتر تربیت میں کامیاب ہیں اور نہ ہی افراد معاشرہ کو ہمنوا کرکے، ان کی تبدیلی کے کام میں پیش قدمی کرسکی ہیں۔

(۹۲) صوفی کی نظر میں پاکیزہ اخلاق کے بغیر انسان کی مثال حیوانوں اور

درندوں کی سی ہے، جو ایک دوسرے سے تصادم میں مصروف رہتے ہیں۔ پاکیزہ اخلاق، دین ومذہب کی گہرائیوں تک پہنچنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور دین ومذہب کی روح کے بغیر پاکیزہ اخلاق، انسانیت نوازی، اللہ کے بندوں سے محبت اور انسانیت کا درد پیدا ہوسکے، ممکن نہیں۔ انسانیت کے نام صوفی کا اصل پیغام یہی ہے کہ وہ دین ومذہب کی اصلیت اور اس کی روح کی طرف آئیں، یعنی اللہ سے والہانہ محبت کی راہ پر گامزن ہوں، اس کے نتیجہ میں نفس کی حیوانیت ودرندگی مضمحل ہوکر، تخلقوا بااخلاق اللہ کی صفات پیدا ہوں گی، اس طرح انسان ایک دوسرے کے لئے شفقت ورحمت کا موجب ثابت ہوگا اور انسانی معاشرہ ہولناک درندگی کے مظاہر اور پامالیٔ انسانیت کی حرکتوں سے محفوظ ہوجائے گا۔

صوفی، دین اسلام کے اسی پیام کو عام کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کرتا ہے۔ اگرچہ صوفی کی اپنی سرگرمیوں کا ہدف یہی ہوتا ہے، تاہم وہ دین کے دوسرے محاذوں پر ہونے والے کام کا قدر دان ہوتا ہے اور ان محاذوں پر کام کرنے والوں کے لئے دل کی گہرائیوں سے دعا گو ہوتا ہے۔

(۹۳) صوفی کی نظر میں دینی جماعتوں اور دعوتی تحریکوں میں اگر ذکر وفکر کو فیصلہ کن اہمیت دے کر، اس کو مزاج کا حصہ بنا دیا جائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ دینی ودعوتی تحریکیں مستحکم ہوں گی، بلکہ وہ معاشرہ کو دینی اعتبار سے سنبھالنے اور اخلاقی طور پر اسے سہارا دینے کا مؤثر ذریعہ ثابت ہوں گی اور بدی کی قوتوں کی روک تھام کے سلسلہ میں بہتر کردار ادا کرسکیں گی۔

اس لئے کہ کثرت ذکر، دل پر لگے ہوئے تالوں کو توڑنے اور تبدیلیٔ دل کے سلسلہ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے، جو دل خودسوز وساز سے محروم ہو، رقت قلبی سے ناآشنا ہو، اللہ کی کتاب کی تلاوت جس دل کو خوف آخرت سے سرشار کرکے، دنیاوی سرگرمیوں کو مختصر کرنے پر آمادہ نہ کرسکے، وہ دل افراد معاشرہ کو بدلنے میں کردار ادا

کرسکیں، دشوار ہے۔

اس لئے کہ دل، دلوں ہی کو متاثر کرتے ہیں۔ رقت، سوزساز اور آخرت کی فکر سے سرشار دل ان نعمتوں سے محروم افراد کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

دینی ودعوتی تحریکوں کا بنیادی کام دل میں غفلت، نفس پرستی اور حب دنیا کے لگے ہوئے تالوں کو توڑ کر، اللہ کی محبت، فکر آخرت اور انسانیت والے درد سے ہمہ آہنگ بنانا ہے۔ جب دلوں کی دنیا میں تبدیلی واقع ہوتی ہے تو افراد معاشرہ کے دل ایسے آباد اور شاداب دلوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، دلوں کی اس تبدیلی کا عمل کثرت ذکر کی اداؤں کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

دینی اور دعوتی جماعتیں جب تک اس کا خصوصی اہتمام نہیں کرتی، اپنے کارکنوں کے مزاجی سانچہ میں ذکر کو شامل کرنے کا خصوصی اہتمام نہیں کرتی، تب تک معاشرہ اور خود ان جماعتوں سے وابستہ افراد مادیت پرستی کے طوفانوں سے زیر وزبر ہوتے رہیں گے، اور جماعتوں وتنظیموں سے ان کی رسمی وضابطائی وابستگی انہیں اس بڑھتے ہوئے سیلاب کے اثرات سے بچانے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔

دل کے تالو کو کھولنے کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی وہ دعا ہمارے لئے راہ عمل بن سکتی ہے، جو آپ اللہ سے مانگا کرتے تھے۔

اللھم افتح اقفال قلوبنا بذکرک واتمم علینا نعمتک واسبغ علینا من فضلک وجعلنا من عبادک الصالحین. (یا اللہ ہمارے دلوں کے قفل کھول دے اپنے ذکر سے اور ہم پر اپنی نعمت کو پورا کردے اور ہم پر کامل کر اپنا فضل اور کردے ہمیں اپنے نیک افراد میں۔

ذکر کی ایک بڑی خصوصیت داخلی وخارجی منکر کے خلاف صف آرا ہونا ہے، حمیت دین کے مزاج کا مستحکم ہونا ہے۔ دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی زندگی کو ترجیح دینا ہے۔ لیکن ذکر کے یہ اثرات کثرت ذکر کے نتیجہ میں ہی بتدریج پیدا ہوتے

ہیں۔ برسوں کے مجاہدوں کے بعد کہیں جاکر فرد کے مزاج کا یہ ملکہ راسخ ہوتا ہے کہ وہ ہر طرح کی بُرائی کے خلاف غیر معمولی طور پر حساس ہوجاتا ہے۔

دینی جماعتوں اور دعوتی تحریکوں کو یہ خوف دامنگیر ہے کہ اپنے جماعتی نظام میں ذکر کو فیصلہ کن اہمیت دینے اور اس کے خصوصی اہتمام کی وجہ سے کہیں غلبہ دین کی جدوجہد اور دعوت کا کام متاثر نہ ہو، صوفی کی نظر میں یہ بے جا مغالطہ ہے۔ اس لئے کہ ذکر کے بغیر تو افراد میں سلیقہ انسانیت پیدا ہونا ہی دشوار ہے۔ باہمی تعلقات کو کشیدگی سے بچانا اور رواداری ومحبت کا پیدا ہونا ہی کار دارد ہے۔

ذکر کی حیثیت اس بنیاد کی سی ہے، جس پر کئی منزلہ عمارت قائم ہوتی ہے۔ اگر دعوتی جماعتوں وتنظیموں کی یہ بنیاد خام ہو، یا سرے سے بنیاد ہی نہ ہوتو اس پر قائم ہونے والی عمارت کا جو حشر ہوسکتا ہے، وہ ظاہر وباہر ہے۔

معاشرہ کو درپیش چیلنج سے مقابلہ میں ناکامی کے سلسلہ میں ہماری جماعتوں کی بے بسی کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے۔

(۹۴) صوفی جب اپنے اندر میں غوطہ زنی کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کی شخصیت سراپا کمی وکوتاہیوں سے عبارت ہے۔ اس کی سیاہ کاریوں کا پلڑہ بھاری ہے۔ محبوب کے سلسلہ میں اس کی غفلت کی حالت قابل رحم ہے۔ اللہ محبوب کی عبادت واطاعت کا وہ نہ صرف یہ کہ کوئی حصہ ادا نہ کرسکا، بلکہ اس سلسلہ میں وہ ضیاعِ وقت پر کف افسوس مل کر رہ جاتا ہے۔ آخرت کی دائمی اور نہ ختم ہونے والی زندگی میں نجات کے سلسلہ میں وہ اپنی غفلت پر مضطرب ہوتا ہے۔ اس کے دل میں ہر وقت قرآن کی وہ آیتیں گونجنے لگتی ہیں۔ جن میں فرمایا گیا ہے:

''جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور نفس کو بُرائیوں سے روکتا رہا، اس کے رہنے کی جگہ جنت ہے۔ (سورۃ النازیات ۳۷ تا ۴۱)

''جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور جو دنیا کی زندگی پر راضی ومطمئن ہیں اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے بدلہ اس کا جو وہ کماتے تھے۔ (سورۃ یونس آیت ۷، ۸)

اس طرح کی قرآنی آیتیں صوفی کو فکر مند اور مضطرب کردیتی ہیں۔ اور اس کے لئے سراپا تحرک کا موجب بنتی ہیں۔ اور یہ آیتیں اس کی شخصیت کا اس طرح احاطہ کرلیتی ہیں کہ وہ ان کے اثرات سے باہر نکلنے ہی نہیں پاتا۔ اس سلسلہ میں وہ اپنی ساری کاوشوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ اسے یہ خطرہ دامنگیر ہوتا ہے کہ کہیں ان کاوشوں کو مسترد نہ کیا جائے، اس طرح وہ محبوب حقیقی کے عتاب کا شکار نہ بن جائے۔ اس سلسلہ میں صوفی کی فکرمندی واضطراب قابل رحم ہوتا ہے۔

(۹۵) صوفی اللہ سے محبت کے زیر اثر اپنے جسم وجان کا محبوب سے سودا کر چکا ہوتا ہے۔

اس کی زندگی یک رخی ہوجاتی ہے۔ اور محبوب حقیقی کے لئے جلتے رہنے اور اس کی عبادت واطاعت میں فنا ہونے کی زندگی ہوتی ہے، صوفی کے ان حالات وکیفیات کو عقل کی مدد سے نہیں سمجھا جا سکتا، اس کے لئے دل کی آنکھوں کی بیداری کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کوئی طالب، طلب کی نیت سے صوفی کے پاس آتا ہے اور اس سے وابستگی اختیار کرتا ہے تو ایسے طالب کو صوفی کے دل سے نکلنے والے پاکیزہ احساسات وکیفیات کا ایک حصہ ملنے لگتا ہے، جس سے وہ سکون وسکینت سے بہرہ ور ہونے لگتا ہے۔ اور زمانہ کی بے رحم وطاقتور طوفانی موجوں کے مقابلہ میں مدافعانہ قوت محسوس کرتا ہے۔

اس اعتبار سے صوفی کی دنیا ایک مشاہداتی اور عملی دنیا ہے۔ وہ نظریاتی، فکری اور کتابی نوعیت سے بالکل مختلف دنیا ہے، صوفی کی پاکیزہ کیفیات سے بہرہ وری کی ایک ہی صورت ہے کہ اس کے سامنے خودسپردگی اختیار کرکے، اس کے فیوض

وبرکات سے بہرہ ور ہوا جائے۔

یہ فیوض وبرکات نئی طاقتور ایمانی کیفیات اور نئی معنوی حقیقی زندگی کی تخلیق کا ذریعہ ثابت ہوتی ہیں۔

دوسرے علوم وفنون تو مطالعہ اور سمجھنے کی کوشش سے کسی حد تک سمجھ میں آسکتے ہیں، لیکن صوفی کو محبوب حقیقی کی رضا پر راضی ہونے اور دوئی ودورنگی سے محفوظ ہوکر، محض محبوب حقیقی کے لئے زندہ رہنے کی جو نعمت عظمیٰ عطا ہوتی ہے، اس کے اجزاء سے بہرہ وری کے لئے صوفی کے سامنے خودسپردگی اور اپنی شخصیت کو مٹانا ضروری ہے۔ فرد کی طرف سے اللہ کے دوست کے سامنے مٹانے کی یہ ادا، محبوب کو اس قدر پسند ہے کہ اس کی وجہ سے شخصیت کی انانیت کا طلسم آدھے سے زیادہ بر وقت ٹوٹنے لگتا ہے۔

(۹۶) بدقسمتی سے مادی فکر کے غلبہ، مادیت کی لہروں اور مغربی طرز فکر کے اثرات کی وجہ سے موجودہ دور میں ذہن اس قدر مسخ ہو چکے ہیں کہ صوفی کی ساری کوششوں کے باوجود معاشرہ کے ذہین افراد مادی عقل کی سطح سے اوپر اٹھکر سوچنے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں۔ یہ صورتحال ہوگئی ہے کہ جو چیز عقل میں نہ آئے، جس چیز کا عقل ادراک نہ کرسکے، اس کا انکار کیا جائے، انکار کی یہی روش ہے، جو افرادِ معاشرہ کو تہذیب نفس کی طرف نہیں آنے دیتی اور انانیت کے بت کو توڑنے کی راہ پر گامزن ہونے نہیں دیتی۔

قرآن نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ: ''آنکھیں اندھی نہیں ہوتی بلکہ سینے میں جو دل ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں۔''

سینے میں موجود دل کی صلاحیتوں کی بیداری کی روش سے انکار کا نتیجہ ہے کہ ہم مادیت پرستی کی طوفانی لہروں میں تنکوں کی طرح بہتے جارہے ہیں اور معاشرہ کی صحتمند خطوط پر تبدیلی کی ساری راہیں مسدود ہوتی جارہی ہیں۔ علم میں جوں جوں

ترقی ہورہی ہے، استدلال کی قوت میں جوں جوں اضافہ ہورہا ہے، اسی مناسبت سے روحانی صلاحیتیں مضمحل ہوتی جارہی ہیں اور معاشرہ تیزی سے خلفشار کا شکار ہورہا ہے۔

ان حالات کی تبدیلی کے سلسلہ میں صوفی بیچارہ صدائیں دینے کے علاوہ کیا کرسکتا ہے؟

(۹۷) صوفی کی خانقاہ نے صدیوں سے مادہ پرستی اور نفس پرستی کی قوتوں کے ستائے ہوئے اور معاشرے کے پسے ہوئے انسان کو سہارا دیا ہے۔ اور اخلاقی وروحانی تربیت کے ذریعہ اس کے اندر اتنی مدافعانہ قوت پیدا کی ہے کہ وہ خود اعتمادی سے بہرہ ور ہوکر اسلامی شریعت پر گامزن ہوتا رہا ہے اور تحفظ اسلام کا فریضہ بھی سرانجام دیتا رہا ہے۔

ہماری تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ عقلیت ومادہ پرستی کی عالمگیر تحریک کے زیر اثر صوفی سے بغاوت کی تحریک مستحکم ہوئی ہے۔ اور اس سے استفادہ کی راہیں مسدود ہوئی ہیں، چنانچہ حقیقی صوفی کی خانقاہ ویرانی کا منظر پیش کررہی ہے۔ معاشرہ اسی کی سزا بھگت رہا ہے کہ اس کی کوئی کل درست نہیں۔ اخلاقی زوال اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ البتہ تصوف کے نام پر ایسے سجادہ نشینوں کی طرف کچھ نہ کچھ رجوع موجود ہے، جو شاہانہ زندگی بسر کرتے ہیں اور وظائف ودعاؤں کے ذریعہ لوگوں کے دنیاوی کاموں کی سرانجامی کا بظاہر ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ اور لوگوں نے حقیقی تصوف اسی کو سمجھ لیا ہے۔

(۹۸) عالمی سطح کے منظر کو دیکھنے سے صوفی کو محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت کفر کی طاقتوں کی طرف سے اٹھنے والے سارے طوفانوں کا رخ مسلم امت کی طرف ہے۔ مسلم امت کو غارت گری کا نشانہ بنانا، ان کی نسلوں کو اخلاقی طور پر تباہی کی راہ پر گامزن کرنا، ان کے وسائل پر قبضہ کرنے کے لئے نت نئی سازشیں تیار کرنا، امت

کے سارے مؤثر طبقات کو برین واشنگ کرکے یا خرید کر یا مرعوب کرکے، انہیں کے باالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا، عالمی کفر عرصہ سے اس پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ اس کی اس پالیسی میں اب مزید تیزی آ گئی ہے، ان حالات میں مسلم امت کے مؤثر طبقات کو بیدار کرکے اور ان میں اخلاقی قوت پیدا کرنے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

صوفی اس ضرورت کو شدت سے محسوس کرتا ہے اور وہ اس کے لئے شدید فکرمند بھی ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں وہ اپنی بے بسی پر کف افسوس مل کر رہ جاتا ہے۔

(۹۹) صوفی کی نظر میں ہمارے ہاں دین کے لئے ادارے بننے کا رجحان بڑھا ہے، جو خوش آئند بات ہے، لیکن ساتھ ساتھ اگر افراد سازی کا بھی خصوصی اہتمام ہو تو یہ ادارے ملت کے لئے مزید کارگر ثابت ہوں گے۔ افراد کی تربیت میں علوم وفنون کی تعلیم ایک حد تک ہی کردار ادا کرسکتی ہے۔ اس سلسلہ میں اصل کردار نفسی قوتوں کے ادراک، پاکیزہ عادتوں کے استحکام اور اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونے کی استعداد ہی ادا کرسکتی ہے۔ تاہم علوم وفنون کو ایک حد تک خداشناسی کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے، اس لئے کہ سارے علوم کی گہرائیوں میں وحدت ووحدانیت کا رنگ موجود ہے، بلکہ یہ رنگ غالب ہے۔

(۱۰۰) صوفی کی نظر میں مسلم امت کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کردار کی چمک اور دعوتی کام کے ذریعہ غیر مسلم اقوام تک اسلام کا پیغام پہنچائیں۔ لیکن اس کام سے غفلت کی جو سزا امت کو مل رہی ہے، وہ یہ ہے کہ کفر کی طاقتیں مسلم امت کو پامال کرنے کے لئے ان پر ٹوٹ پڑی ہیں اور انہیں ذہنی اور تہذیبی طور پر دائرہ غلامی میں لا چکی ہیں۔

مسلم امت کے بیشتر وسائل کفر کی طاقتوں کے حوالے ہو چکے ہیں۔ اور آئے

دن ان کے سروں پر ان طاقتوں کی تلوار لٹک رہی ہے، بلکہ پوری امت ان کی طرف سے برپا کردہ جنگ کے نتیجہ میں خون سے لالہ زار ہوچکی ہے۔

یہ تو مسلم امت کو ان کے فریضہ کی عدم ادائیگی کی سزا ہے، جو انہیں مل رہی ہے۔ غیر مسلم قوموں کو اس کی جو سزا مل رہی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ آداب انسانیت سے ناآشنا ہوکر، ترقی یافتہ حیوانوں کی سی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یورپی قومیں روزانہ ٹنوں کے حساب سے خنزیر کا گوشت استعمال کررہی ہیں۔ ان کے ہاں شراب کا استعمال پانی کی طرح عام ہے۔ وہ اکثر جنابت اور ناپاکی کی حالت میں رہتے ہیں۔ برسوں گذر جاتے ہیں، مرد وعورت غسل نہیں کرتے، اس لئے کہ غسل ان کے ہاں غیرضروری چیز ہے۔ ان کے یہاں خاندانی سسٹم تباہ ہوچکا ہے۔ ماں باپ، بیوی وشوہر کے درمیاں وفاداری اور احترام کا رشتہ ختم ہو چکا ہے۔ انسان سے زیادہ کتوں سے وفاداری اور کتوں سے محبت یورپی قوموں کا وطیرہ بن چکا ہے۔ چینیوں کے ہاں کتے اور سانپ کے گوشت کا عام رواج ہے۔

کفر کے نتیجہ میں دائمی عذاب تو ان قوموں کا حصہ ہے۔

مسلمان اگر تزکیہ کے ذریعہ اپنے کردار میں چمک پیدا کرتے تو مسلم معاشرہ انسانوں کے سامنے مثالی معاشرہ کی حیثیت سے پیش ہوتا۔اس طرح غیرمسلموں کے سامنے اسلام کی دعوت زیادہ بہتر اور مؤثر طور پر پیش ہوتی۔

صوفی کی جدوجہد کا ہدف یہی ہے کہ مسلم معاشرہ کو اسلامی اعتبار سے طاقتور بنایا جائے، تاکہ عالمی سطح پر مسلمان اپنے پاکیزہ کردار کے ذریعہ پہنچانے جائیں، اب چونکہ دنیا سمٹ کر ایک شہر کی حیثیت اختیار کر چکی ہے،اس لئے مسلم معاشرہ کا یہ پاکیزہ کردار اقوام عالم کو متاثر کرکے، اسلام سے قریب کرنے کا موجب ہوسکتا ہے، لیکن اس سلسلہ میں صوفی کو جو سب سے بڑی رکاوٹ درپیش ہے،وہ یہ ہے کہ

جدیدیت سے متاثر ذہین طبقات ہوں یا جدید اسلامی فکر سے وابستہ باصلاحیت افراد، وہ تزکیہ، تہذیب نفس اور کردار میں رونق پیدا کرنے کے لئے نہ صرف یہ کہ اولیا کی صحبت میں آنے کے لئے تیار نہیں، بلکہ وہ صوفی کو تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

اس طرح کے حالات میں صوفی کی جدوجہد کا دائرہ ان چند افراد کی اصلاح تک محدود ہے، جو عام طور پر وقت اور زمانہ کے چیلنج اور اس سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیتوں سے بے بہرہ ہیں۔

(۱۰۱) صوفی کی نظر میں مغربی تہذیب اور اس کے سارے مظاہر (جس میں تعلیمی ادارے بھی شامل ہیں) ان کا سب سے امتیازی نشان خودسری، کبر اور اپنی بڑائی کی نفسیات کا استحکام ہے۔ چونکہ مغرب کا تعلیمی نظام اپنی تمام تر خرابیوں کے ساتھ ہمارے ہاں بھی قائم ہے، اس لئے اس نظام تعلیم کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے افراد کبر اور خودسری کی نفسیات کے ساتھ ہماری ریاست کے جملہ اداروں پر فائز ہوچکے ہیں۔

کبر کی یہی وہ نفسیات ہے، جو معاشرہ کے فساد کا موجب ہے، بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ کبر اور خودسری کی نفسیات زندگی بھر افراد کے مزاج کا حصہ بنی رہتی ہے، اور ان کی ساری سرگرمیوں میں خودسری کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

خودسری کے ساتھ سیکھنے سکھانے اور سمجھنے سمجھانے کے سارے راستے مسدود ہوجاتے ہیں۔

(۱۰۲) جماعتوں، اداروں اور تنظیموں میں دین کے اجتماعی ودعوتی کاموں کے لئے ذہین وباصلاحیت افراد کو رائے کی قربانی کی ضرورت درپیش ہوتی ہے، یہ رائے فرد کو اتنی عزیز ہوتی ہے کہ جگر کے ٹکڑے کی طرح، اس رائے میں فرد کی طاقتور نفسی قوتیں شامل ہوتی ہیں۔ تزکیہ کے لئے ذکر وفکر کے مجاہدے نہ ہونے کی وجہ سے ذہین افراد کو رائے کی قربانی کے محاذ پر شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے، جب

کئی بار ایسا ہوتا ہے تو جماعتوں، اداروں اور تنظیموں میں دراڑیں پڑنا شروع ہوجاتی ہیں۔ اس طرح تزکیہ کے فقدان کی وجہ سے جماعتیں ٹوٹ پھوٹ اور خلفشار کا شکار ہوجاتی ہیں اور ذہین افراد کی سرد مہری کا موجب بنتی ہیں۔ صوفی کی نظر میں تزکیہ کی ضرورت اس لئے بھی ہے، تاکہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے ادارے اور جماعتیں طاقتور ہوں۔

(۱۰۳) صوفی کی نظر میں عقل اور دل ان دونوں کی مثال پرندے کے دو پروں کی سی ہے۔ پرندہ ایک پَر سے اڑنے کی کوشش میں ناکام ہوتا ہے، بلکہ وہ شکاری کے شکار کی نذر ہوجاتا ہے۔

بندہ مومن عقل اور دل دونوں کے استعمال سے محبوب کی طرف پرواز اور نفسی قوتوں کو مطیع کرکے دین کے مقاصد کے لئے متحرک ہوتا ہے۔ اگرچہ درمیانی عرصہ میں دل کے پَر کو زیادہ متحرک کرنا پڑتا ہے، لیکن آخر میں صوفی دل کے ساتھ عقل دونوں کو خوب استعمال کرتا ہے۔ اور دونوں کے استعمال سے اس کی پرواز بلند ہوتی ہے، اس طرح صوفی محبوب کے مقاصد کے لئے بہتر اور مؤثر کردار ادا کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔

(۱۰۴) اخبارات اور میڈیا کسی بھی ملت کے حالات اور اس کے مزاج کے عکاس اور ترجمان ہوتے ہیں تو اس کی تربیت کا ذریعہ بھی۔

اس اعتبار سے ہمارے میڈیا میں قوم کے حالات کی جو تصویر کشی ہوتی ہے، وہ صوفی کے لئے شدید تشویشناک ہے، اس لئے کہ مفادات کی جنگ، قتل وغارت گری، خودکشی، ایک دوسرے کو گرانے اور ذلیل کرنے کی حرکتیں، مخالفوں کو للکارنے کی ادائیں، ناچنے اور تھرکنے کے مناظر، دینی ومذہبی واخلاقی اقدار سے آزادی کے مظاہر، جھوٹ، مکر وفریب، دھوکہ دہی کی ہولناک وارداتیں، ٹکراؤ اور تصادم کے بڑھتے ہوئے واقعات، گلا وغیبت وبہتان تراشی کو ڈرائنگ روم سے بڑھا کر کروڑہا

افراد کے سامنے لاتے رہنے کی حرکتیں، مظلوموں کی آہوں اور بے بسی کے مناظر، حکومتی مشینری کی اپنے فرائض سے آخری حد تک غفلت کے قصے، معاشرہ کی ہر سطح پر بہتر قیادت وبہتر افراد کو مسترد کرنے کی کاوشیں وغیرہ یہ باتیں ایسی ہیں، جو کسی بھی ملت کی تباہی کے لئے کافی ہیں۔

جو قوم وملت اخلاقی طور پر پستی کی اس حالت تک پہنچی ہو اور میڈیا اس میں اضافہ کرنے کا موجب ہو، اس قوم کے لئے کسی خارجی دشمن کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ یہی چیزیں اس کے زوال اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کے لئے کافی ہیں۔ صوفی کے لئے ملت کی یہ باتیں ایسی ہیں، جو اس کے لئے انگاروں پر لیٹنے کے مترادف ہیں۔

(۱۰۵) صوفی کی نظر میں جس معاشرہ میں خیر کو قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی، اس معاشرہ کو ہر شعبہ زندگی سے وابستہ جو قیادت ملتی ہے، وہ سنگ دل، بے رحم، احساس ذمہ داریوں اور درد انسانیت سے عاری اور حب جاہ وحب مال کے جذبات سے سرشار قیادت ہوتی ہے۔ جو اس قوم کو بُری طرح پامال کرتی رہتی ہے۔ اگر قوم چاہتی ہے کہ اسے بہتر قیادت کی نعمت عطا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مزاج میں بنیادی تبدیلی پیدا کرے، خیر کو قبول کرنے والا مزاج اختیار کرے۔ اس طرح کے معاشرہ میں تبدیلی کی خواہشمند قوتوں کے لئے راہ عمل یہی ہے کہ نئی قیادت کے لئے مصنوعی ذرائع اختیار کرنے کی بجائے معاشرہ میں تربیت کے اداروں کو مستحکم کرے۔ ان تربیتی اداروں کے ذریعہ افراد معاشرہ پر اثر انداز ہوکر، ان میں حق وصداقت اور خیر کو قبول کرنے کی استعداد پیدا کرے۔

بُرائی کو قبول کرنے والے معاشرہ میں اگر فرشتہ صفت افراد بھی قیادت کے طور پر سامنے آئیں گے تو افراد معاشرہ اپنے فاسد زدہ مزاج کی وجہ سے اسے مسترد کریں گے۔ جب کہ حق پر آمنا صدقنا کہنے والا معاشرہ نیک وصالح افراد کو تلاش

کر کے بھی انہیں قیادت کے مقام پر فائز کردے گا۔ اس نکتہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے، دوسری صورت میں بہتر قیادت کو مصنوعی طور پر آگے لانے کی ساری کاوشیں ناکامی سے دوچار ہوں گی۔

(۱۰۶) صوفی کی نظر میں اس دور میں ایسے فتنے پیدا ہوگئے ہیں، جن میں مذہبی وغیر مذہبی دونوں طرح کے افراد تیزی سے ان کا شکار ہو چکے ہیں، مثلاً قوم پرستی کا فتنہ، سیکولرزم کا فتنہ، کاروبار میں دین ومذہب کی تعلیمات کو مسترد کرنے کا فتنہ، اپنے مفادات کی خاطر دین سے بیزار قیادت کو آگے لانے کا فتنہ وغیرہ۔

المیہ یہ ہے کہ دیندار اور غیر دیندار افراد دونوں بُری طرح ان فتنوں کی زد میں ہیں۔ اور وہ ان بُرائیوں کو بُرئیاں سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں۔ مثلاً قوم پرستی کی ایک تنظیم جس نے ملک کے سب سے بڑے شہر میں خون کا بازار گرم کیا ہوا ہے، جس کے ہاتھ بڑے بڑے علماء کے خون سے رنگیں ہوئے ہیں۔ اس تنظیم کو محض قوم پرستانہ عصبیت کی بنیاد پر لوگوں کی اکثریت اپنے سروں پر بٹھانے کے لئے تیار ہے۔ حالانکہ لوگوں کو معلوم ہے کہ ایسا کرنے سے بڑے شہر کا امن درہم برہم ہوگا۔ کاروبار تباہی سے دوچار ہوگا۔ قتل وغارت گری ہوگی۔ لیکن یہ بات سمجھنے اور اس کا مشاہدہ ہونے کے باوجود ہر صورت میں اسی قیادت کو آگے لانا ہے۔

اسی طرح ایک صوبہ میں سیکولر نوعیت کی پارٹی کو لوگ سر پر بٹھاتے رہے ہیں۔ اس میں مذہبی وغیر مذہبی افراد یکساں طور پر شامل ہیں۔

جب معاشرہ میں بگاڑ اس حد تک بڑھ جائے تو ایسے حالات میں صوفی کی نظر میں کرنے کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ معاشرہ کو دینی اور اخلاقی طور پر سہارنے اور صحیح دینی فہم پیدا کرنے کی آخری حد تک کاوشیں کی جائیں، اس کام کے بغیر معاشرہ کے سدھارنے کی ساری صورتیں مسدود ہوں گی اور ایسا معاشرہ تیزی سے اللہ کے عتاب ہی کا شکار ہوتا چلا جائے گا۔

(۱۰۷) صوفی ہم جیسے اہل علم واہل دانش اور دعوتی کام کرنے والے کارکنوں کو زبانِ حال سے دعوت فکر دیتا ہے کہ وہ تزکیہ نفس کے کام کو فیصلہ کن اہمیت دیں اور اپنے باطن کی اصلاح کی فکر کریں اور اس کام کو ترجیح دیں، تاکہ باطن کی پاکیزگی کی وجہ سے ان کے علمی ودعوتی کام میں تضاد اور نفس کی آمیزشوں کے خاتمہ کی صورت پیدا ہو اور اس کام میں اخلاص، للھیت اور بے نفسی کی وجہ سے ان کے ساتھ اللہ کی معیت ونصرت شامل ہو اور کردار میں پاکیزگی اور رونق کی وجہ سے افرادِ معاشرہ کی دلوں کو بدلنے کے سلسلہ میں وہ مؤثر کردار ادا کرنے کے قابل ہوسکیں۔

دوسری صورت میں یعنی تہذیب نفس کے فقدان کی وجہ سے علمی کام، دعوتی کام اور فروغ دین کی جدوجہد کا سارا کام بے برکتی کا باعث بنے گا اور کردار میں رونق نہ ہونے کی وجہ سے افراد کے درمیان دشمنیاں پیدا کرنے کا موجب ثابت ہوگا۔

صوفی زبان حال سے ہمیں کہہ رہا ہوتا ہے کہ ہم علم ودانش اور داعی ہونے کی نفسیات سے اوپر اٹھکر، اندر میں غوطہ زنی سے کام لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ نفسی قوتوں کو مطیع کرنے کے سلسلہ میں تو ہماری حالت سب سے زیادہ قابل رحم ہے اور ہم تو باطنی بیماریوں کی حالت میں یہ کام کررہے ہیں۔ بہت ساری بیماریوں میں مبتلا افراد اپنی بیماریوں کی فکر کرنے کی بجائے دوسرے مریضوں کی فکر میں مبتلا ہوں تو اس کا نتیجہ سوائے اس کے کہ یہ بیماریاں سنگین ہوکر ان کی موت کا ذریعہ بنیں اور کیا ہوسکتا ہے۔

صوفی اپنے نفس کے وسیع تر تجربات کی روشنی میں زبان حال سے یہ بات کہہ رہا ہوتا ہے اور صوفی کے بیان کردہ اس نکتہ کا معاشرہ میں ہر جگہ مشاہدہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ اہل علم واہل دانش اور غلبہ دین کے لئے کام کرنے والے افراد عام طور پر انانیتوں کے ٹکراؤ سے دوچار رہتے ہیں۔

(۱۰۸) صوفی کی نظر میں عالم اسلام میں بیسویں صدی کے پہلی نصف حصہ میں مادی فکر ومادی تہذیب کے خلاف اور اسلام کے تحفظ وبقا کے لئے چار تحریکیں شروع ہوئیں، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، اخوان المسلموں اور ترکی میں سعید نورسی کی تحریک۔

تبلیغی جماعت نے پورے عالم اسلام میں حرکت پیدا کی اور اس جماعت سے لاکھوں لوگ وابستہ ہوئے، جن کی ذاتی زندگیوں میں تبدیلی واصلاح ہوئی۔ اور مادہ پرست تہذیب کے مقابلہ میں تجدید ایمان کی نعمت نصیب ہوئی۔ تبلیغی جماعت کے بانی مولانا الیاسؒ دراصل تصوف ہی کی تیار کردہ شخصیت تھے۔ اللہ نے ان سے عالم اسلام میں تجدید ایمان کا بڑا کام لیا۔

جماعت اسلامی نے مغربی تہذیب اور مغربی فکر کے محاذ پر بڑا کام کیا اور دفاع اسلام کا بڑا فریضہ سرانجام دیا۔ جماعت اسلامی، برصغیر ہند کے لاکھوں افراد پر اثرانداز ہوئی۔ اور ان کی فکر ونظر میں بنیادی تبدیلی پیدا کی، کفر کی عالمی قوت نے مولانا مودودی کو اپنا سب سے بڑا حریف قرار دیا۔ مولانا مودودی مفکر تھے، اور فکر کی دنیا کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ صاحبانِ دل سے تعلق نہ رکھنے کی وجہ سے موصوف، انسانی شخصیت میں دل وروح کی صلاحیتوں اور ان صلاحیتوں کی بیداری اور زندگی میں فیصلہ کن تبدیلی کے سلسلہ میں ان کے کردار سے پوری طرح آشنا نہ ہو سکے، جس کی وجہ سے ان کی فکر، ذہن کی تبدیلی اور اسلام کے دفاعی محاذ پر اہم کردار ادا کرنے کا باعث بنی، لیکن افراد کی اخلاقی وروحانی تربیت کرکے، معاشرہ میں فیصلہ کن تبدیلی کے سلسلہ میں ٹھوس کردار ادا نہ کرسکی۔

اخوان المسلمون نے بالخصوص مصر میں، الحادولادینیت کی بڑھتی ہوئی تحریک کے خلاف معرکہ آرائی والا کردار ادا کیا اور لاکھوں افراد کی زندگیوں میں حقیقی

انقلاب برپا کرکے، اسلامی نقطہ نگاہ سے افراد معاشرہ کی بڑی تعداد پر صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ کو) غالب کرنے کا کردار ادا کیا۔

حسن البناء کی شخصیت میں غیرمعمولی تاثیری صلاحیت کا سبب تصوف کے مجاہدے تھے، موصوف برسوں تک مصر کے ایک بڑے صوفی کی صحبت میں رہے، اس لئے ان کی برپا کردہ تبدیلی حقیقی تبدیلی ثابت ہوئی، یہ الگ بات ہے کہ عالمی کفر کی سازشوں کی وجہ سے اخوان المسلموں پچھلے ستر سال سے فوجی حکمرانوں کے تشدد کا نشانہ بنتی رہی ہے، ان کی قیادت اور کارکن فوج کے ہاتھوں بے پناہ ظلم وستم کا شکار ہوئے، لیکن اس سے ان کی استقامت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

ترکی میں نجم الدین اربکان اور اردگان کی قیادت میں جو تحریک شروع ہوئی، یہ دراصل سعید نورسی اور دیگر صوفیائے کرام کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ ترکی کے صوفیاء نے ترکی کے لادین معاشرہ میں جہاں اسلام کا نام لینا جرم تھا، اس جرم میں ترکی کے ایک وزیراعظم کو پھانسی کی سزا دی گئی تھی۔ وہاں صوفیاء کرام نے دین وایمان کی چنگاری جلائے رکھنے کے لئے بڑی حکمت اور خاموشی سے کام لیا۔ قرآن کی ابتدائی تعلیم کا خاموشی سے سلسلہ جاری رکھا اور ذکر وفکر کے حلقے مستحکم کئے، ان کے مسلسل کام کے نتیجہ اردگان کی قیادت میں جو تحریک منظّم ہوئی ہے، اگرچہ اسے داخلی اور خارجی طور پر زبردست مسائل کا سامنا ہے، تاہم وہ بڑی حکمت سے بتدریج ایسے اقدامات کررہی ہے، جس سے ترکی کا معاشرہ اتاترک کی دین دشمن پالیسیوں سے آزاد ہوتا جائے، اگرچہ اس سلسلہ میں موجودہ حکومت کی کارکردگی اطمینان کا موجب نہیں، لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ ترکی کا معاشرہ تصوف واہل تصوف کے زیراثر تبدیل ہورہا ہے۔ اور لادینیت کے خلاف صف بندی مستحکم ہوتی جارہی ہے۔ کاش کہ ہمارے معاشرہ میں بھی تبدیلی کا اسی طرح کام جاری ہو، جہاں اس کام کی

سخت ضرورت ہے۔

(۱۰۹) صوفی سیاسی، سماجی اور معاشرتی سطح پر صحیح خطوط پر کام کا بھی متمنی وحریص ہے۔ ان شعبوں میں ابھرنے والی قیادت ہی ملت کو صحیح رخ پر ڈالنے کا مؤثر کردار ادا کرسکتی ہے۔ لیکن فاسد معاشرہ سے بہتر قیادت ابھر کر سامنے آئے، یہ دشوار تر امر ہے۔

جس طرح زہریلے دودھ سے جو مکھن وملائی تیار ہوگی، وہ زیادہ زہریلی ہوگی، یہی صورت فاسد معاشرہ سے ابھرنے والی قیادت کا ہے۔ اس لئے صوفی کی نظر میں ہر پھر کر سارے راستے معاشرہ کو اخلاقی ودینی اعتبار سے مستحکم کرنے کے کام ہی سے ابھرتے اور نکلتے ہیں۔

صوفی کی نظر میں دینی جماعتوں وتنظیموں کے پاس ملک بھر میں جو جدید تعلیمی وتربیتی ادارے موجود ہیں۔ اگر دینی تنظیمیں اپنے ان اداروں سے دینی اعتبار سے مستحکم افراد تیار کرکے نکال سکیں اور اس کام کو اولین ترجیح دیں تو اس سے معاشرتی، سماجی اور سیاسی سطح پر معاشرہ کو بہتر قیادت مہیا ہوسکتی ہے، لیکن اس وقت صورت یہ ہے کہ دینی جماعتوں وتنظیموں کے قائم کردہ جدید تعلیمی وتربیتی اداروں سے جس قسم کے افراد نکل رہے ہیں، ان کی اکثریت دینی محاذ پر مؤثر کام کرنا تو دور کی بات ہے، ان سے بنیادی دینی فرائض کی ادائیگی تک نہیں ہو پا رہی ہے اور اس سلسلہ میں وہ فاسد معاشرہ کا حصہ بن کر جاتی ہے۔

اس کا بنیادی سبب افراد کی تربیت کے سلسلہ میں دینی جماعتوں کی فکر اور حکمت عملی کے نقائص ہیں، اس فکر اور حکمت عملی میں تبدیلی کے بغیر معاشرتی سطح پر معاشرہ کو بہتر قیادت مل سکے، دشوار تر ہے۔

فکر کا وہ نقص یہ ہے کہ افراد کی نفسی دنیا میں تغیر برپا کرنے کے سلسلہ میں ان

کے فکر میں جمود موجود ہے۔

وہ ذہنی اصلاح ہی کو تہذیب نفس وضبط نفس کا ذریعہ سمجھتے ہیں، جب کہ ذہنی اصلاح، تہذیب نفس کا ابتدائی ذریعہ ہے۔ تزکیہ نفس کے سلسلہ میں ذہنی اصلاح فیصلہ کن کردار ادا نہیں کرسکتی۔ اس لئے کہ نفسی قوتوں کی مثال اس سیلاب کی سی ہے، جو اپنی طوفانی موجوں کے ذریعہ سب کو بہا کرلے جاتا ہے۔ نفس کی دنیا سے جب خواہشات کے طوفان اٹھتے ہیں تو وہ عقل کو اپنے ساتھ بہا کرلے جاتے ہیں، اس طرح عقلی اصلاح، نفسی قوتوں کی لہروں کے سامنے خش وخاشاک کی حیثیت رکھتی ہے۔ خواہشات کے طوفانوں کا مقابلہ تو دل و روح کی قوتیں ہی کرسکتی ہیں۔ ان قوتوں کی بیداری اور روح کو لطیف سے لطیف تر بنانے اور دل کو قلب سلیم بنانے کی ضرورت ہے۔

اس کے لئے فرد کی فطرت میں موجود پاکیزہ محبت کے جذبات کو ابھارنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر تعلیمی وتربیتی ادارے معاشرے اور خود جماعتوں کو پاکیزہ اور مضبوط کردار کے حامل افراد مہیا کرسکیں، دشوار ہے۔ معاشرہ کو نئی بہتر قیادت فراہم کرنے کی ایک اہم صورت یہ ہے کہ اللہ کی محبت کے زیر اثر جب تہذیب نفس کا عمل قابل ذکر حد تک ہوتا ہے تو باطن میں نفسی قوتوں کے خلاف طاقتور حصار قائم ہوجاتا ہے، جس سے نفسی قوتیں ٹکرا کر پاش پاش ہوجاتی ہیں۔

(۱۱۰) صوفی، ذکر وفکر کے جو مجاہدے کرتا ہے، ان سب کا حاصل نفسی قوتوں سے معرکہ آرائی کرکے، اللہ ورسول کی اطاعت کو آسان بنانا ہے۔ اسلامی شریعت پر چلنے کے مزاج کا راسخ ہونا ہے۔ ہر سنت پر عمل پیرا ہونے کی استعداد کا پیدا ہونا ہے۔ اللہ و رسول کے احکامات کو اپنی ذات پر نافذ کرنا اور افراد معاشرہ کو اس راہ پر لانے کی دعوت دینے کی صلاحیت کا پیدا ہونا ہے۔

(۱۱۱) صوفی کو اللہ کے رسول کی ہر سنت سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔دین وشریعت اس کا ہدف ہوتی ہے۔صوفی، اسلام کی مظلومیت اور افراد معاشرہ کی اسلام سے دوری کی روش پر شدید کرب واذیت محسوس ہوتا ہے۔ اللہ کے دین کے فروغ کے لئے وہ مضطرب ہوجاتا ہے۔اس سلسلہ میں وہ اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں سے کام لے کر ہر ممکن حد تک کوشاں ہوتا ہے۔ چونکہ اس کی جدوجہد کا رخ افراد کی باطنی تربیت اور خدمت خلق کا کام ہوتا ہے، اس لئے وہ اس محاذ پر غیرمعمولی طور پر کوشاں ہوتا ہے اور اپنی بیشتر توانائیاں صرف کردیتا ہے،صوفی اگر عالم دین ہے تو درس وتدریس اورعلم کے محاذ پر کارنامے سرانجام دیتا ہے،صوفی اگر صاحب تصنیف ہے تو وہ تصنیف کے محاذ پر سراپا جہد بن جاتا ہے۔

دین کے لئے صوفی کی یہ جدوجہد دیکھکر قرآن کی درج ذیل آیت یاد آتی ہے۔

یاایھاالانسان انک کادح الیٰ ربک قدح فملاقیه. (الانشقاق آیت۶)

(اے انسان تو اپنے پروردگار کی طرف (پہنچنے میں) خوب کوشش کرتا ہے۔ سواس سے جا ملے گا۔)

(۱۱۲)جب معاشرہ پر حیوانیت کا بھوت سوار ہوتو یہ بھوت وعظ ونصیحت کی باتوں سے نہیں جاتا، بلکہ یہ اللہ کی کتاب یعنی قرآن ہی سے بھاگ سکتا ہے۔

اللہ کی کتاب بہت طاقتور ہے۔ وہ ساری حیوانی قوتوں کو مغلوب کرنے کی استعداد کی حامل ہے،لیکن اللہ کی کتاب کے اثرات دل کی اسی سرزمین پر ہو سکتے ہیں، جس سرزمین کو پانی کے ذریعہ نرم کیا گیا ہو، ذکر، دل کی سرزمین کو نرم کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ ذکر کے اہتمام سے جب افراد معاشرہ کی دلوں کی سرزمین نرم ہوجاتی ہے تو اس کے بعد قرآن، افراد کی زندگیوں میں حقیقی انقلاب

پیدا کردیتا ہے۔صوفی اس نکتہ کو بڑے اہتمام سے پیش کرتا ہے۔

(۱۱۳) معاشرہ میں خدمت دین، دعوت دین اورفروغ دین کے حوالے سے جو بھی کام ہوتا ہے،صوفی اس کام کو تحسین کی نظر سے دیکھتا ہے، جب مادہ پرست عالمگیر تہذیب اور اس کی فکر انٹرنیٹ اور موبائل کے ذریعہ ہر فرد تک پہنچ کر، اس کے بگاڑ کا ذریعہ بن رہی ہو، اس طرح کے حالات میں افراد کو دینی اعتبار سے سہارا دینا، ان تک دین کی دعوت پہنچانا،ان کی ذہنی وعملی تربیت کے لئے کوشاں ہونا، یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔

فتنوں کے دور میں اس طرح کا دعوتی کام ایسا ہے،جو افراد کی نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے،صوفی کی نظر میں یہ کام جس گروہ کی طرف سے بھی ہو، وہ قابل قدر اور لائق تعریف ہے، اگرچہ افرادِ معاشرہ کی بہتر تربیت کی صورت وہی ہے کہ وہ اللہ کی محبت کی دنیا میں شامل ہوں،لیکن جب مادیت پرستی کی فضا عام ہو، دین بیزاری کی فضا غالب ہوتو اس طرح کے حالات میں دعوتی کام کے ذریعہ افراد کے عقائد کی اصلاح کرنا، انہیں شریعت کے ظاہری احکامات کا عامل بنانا ہی اہم کام ہے۔

(۱۱۴) صوفی، امت میں توڑ کی بجائے جوڑ اور وحدت پیدا کرنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ امت میں تقسیم پیدا کرنا، اتنا بڑا گناہ ہے،جو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے،صوفی کی نظر میں افراد امت میں مشترکہ باتیں زیادہ ہوتی ہیں۔توحید، رسالت آخرت پر ایمان، حلال وحرام کی بنیادی باتیں، فرائض پر اتفاق وغیرہ، اس طرح کی بہت ساری بنیادی چیزیں افراد میں یکساں ہوتی ہیں۔ صوفی امت میں موجود اختلافی مسائل سے صرف نظر کرتا ہے، امت کے مختلف گروہوں کے ہاں خیر کے جو اجزاء موجود ہوتے ہیں،صوفی ان کو زیادہ اہمیت دیتا ہے، اگر تنقید سے کام لیتا بھی ہے تو اس میں دردمندی غالب ہوتی ہے۔ وہ تنقید

برائے تنقید نہیں ہوتی۔

صوفی تقسیم امت کے جرم میں کسی صورت شریک نہیں ہوتا۔ یہ صوفی کی خصوصی ادا ہے، جو ہر دور کے صوفی کا امتیازی نشان رہی ہے۔

اس سلسلہ میں صوفی کے دل میں قرآن کی متعدد آیتیں گونج رہی ہوتی ہیں:

ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شیء. (الانعام آیت ۱۵۹)

(جن لوگوں نے دین میں فرقے پیدا کئے اور گروہوں میں تقسیم ہوگئے، ان سے تمہارا واسطہ نہیں۔)

(۱۱۵) ہماری نسلوں کو جو ماحول ملا ہے،وہ جنسی جذبات کو مشتعل کرنے، حب جاہ وحب مال کے جذبات سے بے قابو ہونے کا ماحول ہے۔ چونکہ یورپ کی طرح ابھی ہمارے یہاں لوگوں کے مذہبی نقطہ نگاہ میں پوری طرح تبدیلی نہیں آئی ہے، شرم وحیاء کے تصورات ابھی کسی حد تک موجود ہیں، آزاد جنسی عمل اور مخالف جنس کے ساتھ شادی کے بغیر رہنے کی وبا ہمارے ہاں ابھی نہیں پھیلی ہے۔ لیکن ٹی وی، انٹرنیٹ، اور موبائل نے ہر فرد کو ذہنی اور نفسیاتی طور پر مادہ پرست عالمگیر ماحول سے منسلک کر دیا ہے، بلکہ جوڑ دیا ہے۔ اس عالمگیر ماحول میں جنس پر قدغن لگانا جرم ہے، لڑکے اور لڑکیوں کو باہم میلاپ کی مکمل اجازت ہونی چاہے اور اس سلسلہ میں شرم وحیا کے تصورات فرسودہ چیزیں ہیں، جنہیں ختم ہونا چاہئے۔(یہ چیز اقوام متحدہ کے چارٹر میں شامل ہے)اب وہ وقت بہت قریب آرہا ہے، جب ہمارے ہاں مغرب کی طرح جنسی عمل پر شرعی پابندیاں اور شرم وحیا کے تصورات کسی اہمیت کے حامل نہ ہوں گے۔

مادہ پرستی اور جنسی آزادی کے اس قیامت خیز منظر آنے سے پہلے ہی ہمیں اس سیلاب کے سامنے حصار باندھنے کی فکر کرنی چاہئے۔ وہ حصار اہل اللہ کی صحبت

اور ذکر وفکر کے ماحول کے ذریعہ نئی نسلوں کی روحانی ووجدانی قوتوں کو بیدار کرکے، حیوانی وجود پر رحمانی وملکوتی وجود کو غالب کرنے کا حصار ہے۔ اس حصار کے قائم ہونے کے بعد جنسی اشتعال اور جنسی آزادی کا شیطان ازخود راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوگا۔ اہل اللہ کی صحبت اور ذکر میں وہ توانائی اور حلاوت موجود ہے کہ جب اس حلاوت سے فیضیابی کی صورت پیدا ہوگی تو مغربی تہذیب کے حیوانی اثرات ومیلانات ورجحانات سے بچاؤ کی صورتیں ازخود پیدا ہوتی جائیں گی۔

مادہ پرست تہذیب کے اثرات کا بنیادی سبب روح اور دل کا بڑھتا ہوا اضطراب ہے۔ روح و دل کی تسکین محبوب حقیقی کے ذکر کے انوار سے ہی ہوسکتی ہے۔صوفی کی نظر میں اگر مسلم معاشرہ میں نئی نسلوں کو تباہی اور خودکشی سے بچانے کا احساس موجود ہے تو اسے فوری طور پر اہل اللہ کی صحبت اور ذکر کا سہارا لینے کی فکر کرنی چاہئے، اسی سے مادہ پرست تہذیب سے مقابلہ کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

کاش، افراد معاشرہ،صوفی کی اس آواز کو سنیں اور دل کی آنکھیں بیدار کرکے آنے والے قیامت خیز چیلنج سے مقابلہ کا اہتمام کریں۔

جب تعلیم وتربیت اور میڈیا کے ذریعہ افراد کی نفسیات فساد سے بھر جاتی ہے تو اس نفسیات کی اصلاح وعظ ونصیحت اور سمجھنے سمجھانے کی باتوں سے نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لئے خصوصی اہتمام کے ذریعہ دل وروح کی صلاحیتوں کی بیداری کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ مادی وجود، حیوانی وجود اور سفلی وجود پر غلبہ پانے کی استعداد روحانی وملکوتی وجود کو غالب کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوسکتی ہے،صوفی اس نکتہ پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے، بلکہ اسے ملت کے لئے موت وحیات کے مسئلہ کی حیثیت دیتا ہے۔

جو مسئلہ، ملت کے لئے موت وحیات کی حیثیت رکھتا ہے، اسے فیصلہ کن

اہمیت نہ دینا انتہائی بے حسی ہے، بلکہ خودکشی کے مترادف ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں اور اخبارات اس طرح کی خبروں سے بھری ہوئی ہیں کہ لڑکیاں، لڑکوں سے انٹرنیٹ پر تعلقات قائم کرکے، گھروں سے بھاگ رہی ہیں اور پھر تحفظ نہ ملنے کی وجہ سے ہلاکت سے دوچار ہورہی ہیں۔ اس طرح کے واقعات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ صوفی انتباہ دیتا ہے کہ افرادِ ملت بیدار ہوں، ورنہ نئی نسلوں کی ہولناک تباہی سے بچاؤ کے سارے راستے مسدود ہوجائیں گے۔

(۱۱۶) صوفی کی نظر میں ہمارے معاشرہ کو جو چیلنج درپیش ہے، وہ وہی چیلنج ہے، جو یورپی معاشرہ کو دوڈھائی سو سال پہلے درپیش تھا، جس کے مقابلہ میں یورپ ناکام ہوا اور وہ مادہ پرستی، جنسی آزادی اور خاندانی نظام کی تباہی سے دوچار ہوا۔

یورپ میں صنعت کی ایجاد سے جب روزگار کا صدیوں کا دستکاری نظام تباہی سے دوچار ہوا تو لوگوں کو روزگار کی خاطر دیہات سے نقل مکانی کرکے، شہروں میں آباد ہونا پڑا۔ مرد وعورت کو کارخانوں میں سخت محنت کرکے گذارہ کرنا پڑا، صنعتکاروں کے پاس ذہن سازی کے لئے میڈیا کی قوت بھی موجود تھی، عیسائیت کی ناکامی اور نئے مادی نظریات نے یورپ کے روایتی مذہبی ماحول کو بھی بدل دیا، اس سے یورپ، جنسی آزادی، خاندانی نظام کی تباہی، ذہنی دباؤ اور نفسیاتی بیماریوں کے ایک نہ ختم ہونے والے بحران سے دوچار ہوا، جواب تک جاری ہے۔ سویڈن جیسا ملک جو معاشی خوشحالی کے اعتبار سے سب سے آگے ہے، وہاں اس وقت بھی خودکشی کا رجحان آبادی کے اعتبار سے دنیا کے سارے ممالک سے زیادہ ہے۔

یورپ کا یہ بحران دراصل مادہ پرست صنعتی تہذیب ہی کا پیدا کردہ تھا، جسے میڈیا نے ترقی دی۔

ہمارے ہاں یہی عمل پچھلے پچاس ساٹھ سال سے جاری ہے کہ روزگار کی

خاطر دیہات سے شہروں میں منتقلی کا سلسلہ تیزی سے جاری ہے۔ نئے ماحول کی وجہ سے روایتی خاندانی تعلقات واثرات بُری طرح مجروح ہونے لگے، مخلوط تعلیم کی وبا اور میڈیا نے آزاد جنسی عمل کے میلانات میں اضافہ کیا۔

یہ سارا بحران دراصل پاکیزہ اخلاقی وروحانی تہذیب سے دوری اور روح اور روحانیت سے بغاوت کا نتیجہ ہے۔

مغرب کا معاشرہ پچھلے دوسو سال سے اس کا نتیجہ بھگت رہا ہے کہ وہ انسانی معاشرہ کی بجائے ترقی یافتہ حیوانی معاشرہ میں تبدیل ہوچکا ہے۔

مسلم معاشرہ پچھلے پچاس ساٹھ سال سے اس راہ پر تیز رفتاری سے گامزن ہے، جس کے نتائج حیوانیت ودرندگی کی صورت میں ظاہر ہوئے بغیر رہ سکیں، ممکن نہیں۔

صوفی کی نظر میں مادہ پرست صنعتی تہذیب کے ان ہولناک اثرات سے بچاؤ کے سلسلہ میں مولوی کا کردار سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوسکتا ہے، اس لئے کہ ہر محلّہ کی مسجد میں مولوی امام اور خطیب کی حیثیت سے موجود ہے۔ مولوی کے پاس چھوٹا سا مدرسہ اور مکتب بھی موجود ہے۔ مولوی اگر روحانی قوت سے سرشار ہو، اور وہ اہل اللہ کی صحبت اور ذکر کے نور سے بہرہ ور ہو تو مولوی اپنی ایمانی و روحانی قوت اور اپنی متحرک شخصیت کی بنا پر افراد معاشرہ کو سہارا دے سکتا ہے اور ان کی روح کو کسی حد تک غذا دے کر، اسے حیوانی قوتوں کی نذر ہونے اور بڑھتی ہوئی نفسانی بیماریوں اور ذہنی دباؤ سے بچا کر معتدل اور صحتمند مزاج کا حامل بنا سکتا ہے۔

ضرورت ہے کہ مولوی جسے مسجد ومکتب کی صورت میں طاقتور پلیٹ فارم حاصل ہے۔ اسے ذہنی وروحانی اعتبار سے مستحکم سے مستحکم تر کیا جائے۔ اس کے لئے مولوی کی زیادہ بہتر اور مؤثر تربیت کی ضرورت ہے۔ صوفی اس نکتہ پر زور دیتا ہے۔

افراد ملت کی اسلامیت اور مادہ پرست مغربی تہذیب کے مقابلہ میں اپنے ایمان کی سلامتی اور اسلامی تہذیب سے وابستگی کا سب سے مؤثر ذریعہ مولوی ہی ثابت ہوسکتا ہے۔

(۱۱۷) صوفی کے سب سے قیمتی تجربات وہ ہوتے ہیں، جو نفس کے خلاف طویل عرصہ تک معرکہ آرائی کی صورت میں اسے حاصل ہوتے ہیں، ذکر وفکر وصحبت کے ذریعہ صوفی کے مجاہدے جوں جوں آگے بڑھتے ہیں، نفس کی گہرائیوں سے مکر وفریب، حرص ہوس، خودنمائی وانانیت کے طوفان اسی شدت سے اٹھتے اور ابھرتے رہتے ہیں۔ صوفی پندرہ بیس سال تک، بعض صوفی پچیس تیس سال تک نفس سے معرکہ آرائی کی اس حالت میں رہتے ہیں۔ بڑی مشکل کے بعد صوفی کو خواہشات نفس کے طوفانوں سے بڑی حد تک چھٹکارا ملتا ہے۔

اس کے بعد کہیں جاکر اسے پوری طرح اخلاص، للھیت، بے نفسی اور نفس مطمئنہ کے سعادت عظمیٰ عطا ہوتی ہے اور اس کے اعمال میں نفسی قوتوں کی آمیزش بڑی حد تک ختم ہوجاتی ہے۔ صوفی کے یہ تجربات ایسے ہیں، جن سے استفادہ کرتے ہوئے معاشرہ کو آداب انسانیت وسلیقہ انسانیت سے معطر کیا جا سکتا ہے، لیکن چونکہ عام طور پر صوفی کو سادہ لوح وحالاتِ زمانہ سے ناآشنا سمجھکر، ناقابل التفات سمجھا جاتا ہے، اس لئے صوفی کے ان تجربات کو معاشرہ اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

اس بات کا بھی کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ ایسے آلات وجود میں آئیں یا ایسی مشینیں تیار ہوجائیں، جس میں نفس پرستی کی قوتوں کے صاف عکس دکھائے دینے لگیں اور نفس کے خلاف صوفی کی جدوجہد کی داستان، خواہشات کی تصاویری عکس کی صورت میں تیار ہوجائے۔ لیکن اگر ایسا ہو بھی جائے تو عبرت وموعظت کی صورت بمشکل پیدا ہوگی۔

بہرحال صوفی کی نفس کے خلاف داستانِ جہد نہ تو بیان ہوسکتی ہے اور نہ ہی اس داستان کے عکس سامنے آسکتے ہیں۔ جب کہ ہر فرد کا نفس اتنا طاقتور ہے کہ وہ اپنی خواہشات سے معاشرہ میں تہلکہ برپا کرسکتا ہے۔ اس وقت انسانی معاشرہ عالمگیر سطح سے لے کر محلّہ کی سطح تک اور فرد کی سطح سے لے کر خاندان کی سطح تک نفسی قوتوں کی طرف سے برپا کردہ اسی طوفان خیز تہلکہ کا منظر پیش کررہا ہے۔ اور انسان آزاری کی روش نے انسانیت کو تباہی کے دھانے پر کھڑا کیا ہے۔ یہ سب نتیجہ ہے سلیقہ انسانیت وآداب انسانیت کے سلسلہ میں صوفی کے تجربات سے عدم استفادہ کا۔

قرآن واحادیث میں نفسی قوتوں کے یہی نتائج واثرات بیان فرمائے گئے ہیں۔ ماضی کی ساری قوموں کی تباہی میں نفس پرستی کی قوتوں ہی کو عمل دخل حاصل ہوا ہے۔ قرآن نے جن زوال پذیر اور اللہ کے عذاب کی شکار قوموں کا ذکر فرمایا ہے، ان ساری قوموں کا سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ وہ اللہ کی الوھیت کی بجائے نفس کی الوھیت کی پرستار تھیں۔ اور انبیاء کرام کی ساری جدوجہد کے باوجود وہ نفسی قوتوں سے اوپر اٹھکر سوچنے کے لئے تیار نہیں تھیں۔

اس وقت بھی عالمگیر سطح سے لے کر مقامی سطح تک ہمارا معاشرہ نفس پرستی کے اسی بحران سے دوچار ہے، بدقسمتی سے بہتر سے بہتر علم بھی افراد کو نفس پرستی کے اس بحران سے نکالنے کے سلسلہ میں ناکام ہے۔ ضد، سرکشی، کج بحثی، صوفی کو حقیر سمجھنے کی نفسیات اور حب مال اور خودنمائی کے امراض نے افراد معاشرہ کا احاطہ کرلیا ہے۔

ان حالات میں صوفی کی زندگی بھر کی جدوجہد سے بمشکل چند افراد نکل آتے ہیں، جو نفس پرستی کی قوتوں کے خلاف مجاہدوں کے لئے تیار ہیں۔

صوفی، معاشرہ کی اس المناک صورتحال پر اذیت اور رنجیدگی ضرور محسوس کرتا

ہے، لیکن چونکہ اس کی ساری سرگرمیوں کا ہدف نتائج سے بے پرواہ ہوکر، محض اللہ کی رضا کا حصول ہے، اس لئے اس سے صوفی کی دعوتی وتربیتی جدوجہد میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ صوفی نتائج کو نہیں دیکھتا، اس کی نگاہ دعوتی کام کے سلسلہ میں آخری حد تک اپنی توانائیوں کے استعمال کی طرف رہتی ہے۔

صوفی کے ان حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی شخصیت کی تخلیق کسی دوسرے خمیر سے ہوئی ہے۔

صوفی، اللہ کے اس انعام پر اللہ کی شکر ادائیگی سے قاصر ہوتا ہے کہ اس نے اسے اپنے فضل خاص سے نفس پرستی کی قوتوں کے مشاہداتی حالات سے گذار کر اسے ان قوتوں سے بڑی حد تک نجات دلائی اور اپنی رضا پر راضی رہنے کی اس کی نفسیات مستحکم فرمائی۔

(۱۱۸) صوفی کی نظر میں جو بندہ اللہ کے لئے ایک چیز چھوڑ دیتا ہے، اللہ، اسے اس سے بہتر چیز عطا فرماتا ہے۔ اس طرح کے الفاظ کی ایک حدیث شریف بھی موجود ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ خوشحال مادی زندگی کی جدوجہد سے دستبردار ہوکر، تھوڑے پر راضی رہ کر اللہ کی عبادت، ذکر وفکر واطاعت اور آخرت کو مقصود بنا کر اس کے لئے وقت، صلاحیتوں وتوانائیوں کے استعمال سے اگرچہ فرد کو مالی خوشحالی اور وافر سامانِ دنیا نصیب نہیں ہوتا، لیکن اس سے اسے خوشی، حلاوت، سکینت، اللہ کی معیت ونصرت کا احساس، اور پاکیزہ زندگی کی نعمت عظمیٰ عطا ہوتی ہے۔ یہ نعمت اتنی بڑی ہوتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں ساری دنیا کی دولت ہیچ ہوتی ہے۔

صوفی کی زندگی اسی حدیث کا نمونہ ہوتی ہے، اس کے پاس خوشحال مادی زندگی کے لئے وقت نہیں ہوتا۔ وہ اپنے وقت کے ایک ایک لمحہ کا صحیح استعمال کرتا

ہے، عبادت، خدمت دین، خدمت خلق، سالکوں کی تربیت کے کام اس کی زندگی کے اہداف بن جاتے ہیں۔ اللہ اپنے لئے اس کے درد، اس کی فکرمندی، اس کی جدوجہد اور فنائیت کو دیکھکر، اس کے دل کو سکینت وطمانیت سے بھر دیتا ہے، ضرورت کی اہم چیزوں کے معاملہ میں اسے لوگوں کی محتاجی سے بچا لیتا ہے۔ اس کے دل کو دنیا کے حوالے سے سرد کردیتا ہے۔ لوگ مادی چیزوں پر فدا ہوتے ہیں، جب کہ صوفی ان چیزوں کو غیرضروری سمجھتا ہے۔

(۱۱۹) صوفی کی نظر میں اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں، ان میں کچھ اہم چیزیں یہ ہیں: نماز کا خصوصی اہتمام ہونا، اس کے لئے فکرمند ہونا، ہر سنت پر عمل کے لئے کوشاں ہونا، دکھی انسانیت کے کام آنا، حمیت دین کا ہونا، مسلم امت کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھنا، اور امت کی حالت زار پر دعائے خیر سے کام لیتے رہنا، پڑوسیوں کے کام آنا، غریبوں کی مدد کی صورت نکالنا، اشتعال کے مواقع پر صبر اور درگذر سے کام لینا، گفتگو میں دوسروں کی دل آزاری سے بچتے رہنا، تلاوت قرآن اور ذکر کے لئے وقت نکالنا، اپنی صلاحیتوں کے تحت کچھ نہ کچھ خدمت دین کا کام کرتے رہنا، یا خدمت دین کا کام کرنے والوں کی نصرت کرنا، بغض، عناد اور حسد جیسی بیماریوں سے ہر ممکن حد تک بچتے رہنا وغیرہ یہ ایسی سعادتیں ہیں، جو اگر کسی کو حاصل ہوجائیں تو وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہوکر رہتا ہے۔

اگرچہ اللہ کی سنت ہے کہ یہ ساری نعمتیں صحبت اہل اللہ اور کثرت ذکر سے ہی حاصل ہوتی ہیں، لیکن اگر کسی فرد کو اپنی ذاتی کاوشوں اور خوداحتسابی کے مسلسل عمل کے ذریعہ یہ نعمتیں حاصل ہوں تو وہ معاشرے کے خوش نصیب افراد میں شامل ہے۔ ایسے فرد وافراد کو پھر غیرمعمولی مجاہدوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اس لئے کہ مقصود

صالح اعمال پر دوام کی صلاحیت کا حاصل ہونا ہے۔ صوفی کے سارے مجاہدوں کا حاصل بھی یہی ہے۔

(۱۲۰) صوفی کی نظر میں نفس کے خلاف جہاد کو سارے کاموں پر اولیت حاصل ہے۔ نفس کے مہذب ہوئے بغیر سارے کاموں میں فساد وبگاڑ کے خطرات موجود ہوتے ہیں، جب ذکر وفکر اور صحبت سے قابل ذکر حد تک اصلاح ہوجاتی ہے تو اس کے بعد فرد کے مجاہدوں کا دائرہ بدل جاتا ہے۔ اب بندہ مومن خارجی باطل کے خلاف صف آرا ہوتا ہے۔ لیکن خارجی باطل کے خلاف مجاہدوں میں اس کی بہتر حکمت عملی شامل ہوتی ہے۔ اس بہتر حکمت عملی میں افراد کی تربیت کے ذریعہ انہیں باطل کے خلاف منظّم کرنے اور ان کی بہتر ذہنی واخلاقی تربیت کا کام پیش نظر ہوتا ہے۔

بندہ مومن کی یہی وہ ترتیب ہوتی ہے، جس کے ذریعہ وہ اسلام، ملت اور خود اپنی ذات کے لئے مفید وکارگر ثابت ہوتا ہے، اور اپنے فرائض وذمہ داریوں کی ادائیگی کے بہتر سے سلیقہ سے آشنا ہوتا ہے۔

(۱۲۱) صوفی کی نظر میں معرفت نفس اور معرفت رب کے کچھ نہ کچھ اجزاء کا ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر اعمال میں اخلاص کا ادراک نہیں ہو پاتا، بلکہ اعمال میں نفسی آمیزشیں شامل ہوجاتی ہیں۔ اگر سچی معرفت کے کامل درجات حاصل نہ بھی ہوں، لیکن اگر اس کے کچھ نہ کچھ اجزاء بھی حاصل ہوں تو فرد کا کام بن جاتا ہے۔ معرفت کی علامت یہ ہے کہ اعمال کے سلسلہ میں اندر کے مفتی کے فتویٰ کا عمل جاری رہنے لگتا ہے اور ظاہری اور باطنی گناہ کے وقت دل میں کھٹکہ پیدا ہوتا ہے اور دل بے چین ہونے لگتا ہے، نیکی کے اعمال کے وقت دل مسرت محسوس کرنے لگتا ہے، دل کی یہ حالت سچی معرفت کے ذریعہ ہی پیدا ہوتی ہے۔

اس سچی معرفت کے اجزاء اہل اللہ کی صحبت اور ذکر کے لئے وقت نکالنے کے نتیجہ میں ہی بہتر طور پر پیدا ہوتی ہے۔

ہر فرد کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ذکر وفکر کے غیر معمولی مجاہدوں کے ذریعہ معرفت کے ارتقائی مراحل طے کرے، لیکن اس کے کچھ نہ کچھ اجزاء اس لئے ضروری ہیں، تاکہ نفس کے احتساب کا عمل جاری رہ سکے اور اعمال میں اخلاص وللھیت کی صورت پیدا ہوتی جائے۔

معرفت کے یہ اجزاء ذکر کو روزانہ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے تک پہنچانے کے نتیجہ میں حاصل ہوجاتے ہیں۔ مصروف افراد، کاروباری افراد، ملازمت پیشہ افراد اگر ذکر کے دورانیہ کو گھنٹے ڈیڑھ تک پہنچانے میں کامیاب ہوگئے تو ان کی اصلاح، خود احتسابی اور اسلامی شریعت پر استقامت سے چلتے رہنے کے لئے ذکر کا یہ دورانیہ کافی ہے، انہیں اس سلسلہ میں مزید پریشان ہونے کی ضرورت لاحق نہیں ہے۔

ذکر وفکر کے لئے مکمل طور پر یکسو ہونے کا عمل تو اس فرد کے لئے ہوتا ہے، جسے اللہ کو دوسروں کی تربیت کا کام لینا ہوتا ہے۔

دوسروں کی تربیت کے لئے غیر معمولی ایمانی وروحانی قوتوں کا ہونا ضروری ہے، جو غیر معمولی مجاہدوں سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔

(۱۲۲) صوفی کو انسانیت کی فکر زیادہ دامنگیر رہتی ہے کہ اسے آگ میں جلنے سے بچایا جائے، جس کی وعیدیں قرآن میں کفر، شرک اور فاسد اعمال کی وجہ سے سنائی گئی ہیں۔ بلکہ جس کی وعیدوں سے قرآن بھرا ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث شریف ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں تم آگ کی کھائی میں گر رہے ہو میں تمہیں اس میں گرنے سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں تم ہر پھر کر اسی کھائی میں گر رہے ہوں۔

صوفی کو اللہ کے رسول کے اس درد کے کچھ اجزاء عطا ہوتے ہیں۔صوفی کے سامنے مقصود یہ ہوتا ہے کہ افراد کی تربیت کر کے انہیں دعوت کے کام پر لگایا جائے۔ چونکہ تربیت وتزکیہ کے بغیر دعوت کا کام مفاسد وخرابیوں، معاشرہ کی ٹوٹ پھوٹ اور مفادات کی تکمیل کا ذریعہ بنتا ہے، اس لئے صوفی افراد کی بنیاد کو مستحکم کر کے، اس پر دعوتی کام کی عمارت کھڑی کرتا ہے۔ بدقسمتی سے موجودہ دور میں عام طور پر کام کے افراد اپنی صلاحیتیں دنیا کمانے میں صرف کر ڈالتے ہیں، وہ تزکیہ وتربیت کی فکر سے خالی ہیں، اس لئے صوفی کو باصلاحیت افراد کے فقدان کی وجہ سے اپنے دعوتی مشن کو جاری رکھنے میں دشواریوں کا سامنا رہتا ہے۔

(۱۲۳) صوفی کی نظر میں جو شخص چاہتا ہے کہ خدمت دین کا کام ہو، اس کے لئے وہ شوق وجذبہ بھی رکھتا ہے۔ اور کسی حد تک یہ کام کرتا بھی ہے، لیکن چاہتے ہوئے بھی اس کے اس کام میں برکت نہیں ہوتی اور دلوں کی ٹوٹ پھوٹ واقع ہوتی رہتی ہے۔ اور لوگوں سے اس کی دوریاں بڑھتی رہتی ہیں۔ اور اس طرح کے خدمت دین کے کام پر اس کا دل بھی پوری طرح مطمئن نہیں ہوتا۔ اور دعوتی کام میں حائل دشواریوں اور ایمانی و روحانی قوت کے فقدان کی وجہ سے وہ اکثر ذہنی دباؤ کا بھی شکار رہتا ہے۔ایک دوسرے پر تنقید اور شکوہ وشکایات اس کے مزاج کا حصہ بن جاتی ہے۔

اس دور میں دین کے اکثر داعیوں کے ساتھ اس طرح کے معاملات درپیش ہوتے ہیں۔ اس کا ایک بڑا سبب باطنی خرابیاں ہوتی ہیں۔ باطنی خرابیوں کے ساتھ ہونے والے دعوتی کام میں نہ تو برکت شامل ہوتی ہے اور نہ ہی کارکنوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت وخیرسگالی کے جذبات فروغ پذیر ہوتے ہیں۔ باطنی بیماریوں میں حسد کے جذبات، کبر کی بیماری، خودنمائی وخود رائی کی بیماری،

حب مال وحب جاہ کی بیماری وغیرہ شامل ہوسکتی ہیں۔ ان بیماریوں کے ساتھ ہونے والا دعوتی کام اکثر انتشار وفساد کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

یہ بیماریاں ایسی ہیں، جن کا عام طور پر فرد کو ادراک بھی نہیں ہوتا۔اگر ادراک ہو تو اس کے علاج کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ عام طور پر فرد کی زندگی انہی بیماریوں کے ساتھ دعوتی کام کرنے میں گذر جاتی ہے۔ حالت یہ ہوتی ہے کہ اگرچہ اس طرح کے ماحول میں ہونے والے دعوتی کام سے لوگ کسی حد تک جڑنے لگتے ہیں، لیکن وہ جلد ہی اپنے ساتھیوں کے مزاج سے ٹکرا کر، سرد مہری وبےعملی کا شکار ہوجاتے ہیں۔

اللہ کی سنت یہی ہے کہ بیماریاں جسمانی ہوں یا روحانی وباطنی، ان کی تشخیص اور ان کا علاج، معالج ہی کرسکتا ہے۔ اپنے طور پر بیماریوں کی تشخیص کر کے، ان کے علاج کرنے سے یہ بیماریاں سنگین نوعیت کی بیماریوں میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

بدقسمتی سے خودرائی کی بیماری کی وجہ سے موجودہ دور میں دعوتی کام کے حوالے سے یہ نکتہ سب سے زیادہ نظر انداز ہوا ہے، جس کی سزا باصلاحیت افراد کو (جو خدمت دین کا کام کر رہے ہوتے ہیں) ان کو تو ملتی ہی ہے کہ ان کی دلیں ایک دوسرے سے آزردہ اور رنجیدہ رہتی ہیں اور مزاجوں کے ٹکراؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح غلبہ دین اور دعوتی تحریک مضمحل ہوتی ہے، لیکن اس کی سزا معاشرہ کو بھی ملتی ہے کہ معاشرہ صحیح اسلامی خطوط پر تعمیر کے اعتبار سے زبردست خلا کا شکار ہوجاتا ہے، اس لئے کہ معاشرہ کو دینی واخلاقی اعتبار سے سنبھالنے کا کام ذہین وباصلاحیت افراد ہی زیادہ بہتر طور پر کر سکتے ہیں اور باصلاحیت افراد عام طور پر روحانی وباطنی بیماریوں کے علاج ومعالجہ کے کام کو کام ہی نہیں سمجھتے۔

(۱۲۴) صوفی کو اپنے نفس کے حوالے سے جو تجربات ومشاہدات ہوتے

ہیں، وہ کافی شدید، تلخ، بلکہ اذیتناک ہوتے ہیں۔ ان میں ایک مشاہدہ وتجربہ یہ ہوتا ہے کہ نفس اپنے علاوہ دوسروں کی علمی، وروحانی حیثیت وفضیلت وشہرت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ نفس چاہتا ہے کہ اس کی مجلس میں اس کے علاوہ دوسری صاحب علم وصاحب فضل شخصیتوں کی تعریف نہ ہو، اس تعریف سے اس کا نفس سانپ کی طرح کروٹیں لینے لگتا ہے اور اس طرح کی تعریف وتوصیف کو وہ اپنی روحانی برتری اور اپنے صاحب فضل ہونے والی حیثیت پر ضرب کاری لگتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ ذکر وفکر کے دورانیہ کو مزید بڑھانے اور صحبت کے مسلسل اہتمام کے بعد کہیں جاکر، صوفی کا نفس مہذب ہو کر، مقام فنا تک پہنچتا ہے، جہاں اسے اپنی شخصیت سراپا سیاہ کاریوں سے بھری ہوئی نظر آتی ہے اور دوسروں کو وہ اپنی ذات سے افضل سمجھنے لگتا ہے۔

صوفی اپنے اس طرح کے تجربات کی وجہ سے افراد معاشرہ میں موجود جملہ خرابیوں اور نفس کی مکر وفریب کی ایک ایک ادا سے پوری طرح آشنا ہوجاتا ہے۔ اس کی وجہ سے صوفی جماعتوں، اداروں، قوموں اور گروہوں میں ہونے والے ہر طرح کے فساد کو نفس کی خرابیوں ہی کا کرشمہ سمجھنے لگتا ہے اور اس کی اصلاح کے لئے خصوصی کوششوں کے بغیر وہ معاشرہ کی اصلاح کے لئے ہونے والی ساری کوششوں کو بے نتیجہ سمجھتا ہے، اس لئے کہ اس طرح کے کام میں للھیت وبےنفسی کے اجزاء کم ہی ہوتے ہیں، جب کہ حب جاہ وخودنمائی کے جذبات غالب ہوتے ہیں۔

(۱۲۵) صوفی کی نظر میں دین کی ترتیب اس طرح ہے۔ (۱) اصلاح نفس کا کام، (۲) دعوتی کام (۳) جذبہ جہاد کا کام۔

مبتدی طالب کا نفس چونکہ طاقتور ہوتا ہے، وہ ہر وقت سرکشی پر آمادہ ہوتا ہے، حب جاہ وحب مال اور حسد وغیرہ اس کی ''خصوصیات'' ہوتی ہیں۔

اس لئے مبتدی طالب کے لئے اصلاح نفس کا کام اور اس کی فکر ہی اولین ترجیح ہے، اس کی فکر اور اصلاح نفس کے مجاہدے ہی اس کا بنیادی ہدف ہوتے ہیں، جب تک اس کی نفس کی حالت میں بنیادی تغیر واقع نہ ہو اور نفس لوامہ کے بہتر مقام پر اس کی رسائی نہ ہو، تب تک وہ اسی جدوجہد میں مصروف رہتا ہے۔ البتہ متوسط طالب کو دعوتی کام کے لئے فکرمند ہونا چاہئے اور لوگوں کو رجوع الی اللہ کی طرف کسی حد تک بلانا چاہئے۔ متوسط طالب میں جذبہ جہاد کی روح بھی پیدا ہونی چاہے، بلکہ اگر متوسط صوفی ذہنی وعلمی صلاحیتوں کا حامل ہے تو ذکر کا نور اس میں دعوتی جذبہ اور جذبہ جہاد کو از خود بیدار اور طاقتور کرنے کا ذریعہ بنے گا، بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ متوسط طالب کی بُرائی کے خلاف نفرت شدید ہوتی ہے اور اس سلسلہ میں اس کا اضطراب بے پناہ ہوتا ہے، اور حمیت دین اس کے مزاج کا حصہ بن جاتا ہے، لیکن چونکہ متوسط صوفی حالت سفر میں ہوتا ہے، اس لئے اس کی بھی بیشتر صلاحیتیں وتوانائیاں نفس کے خلاف مجاہدوں میں صرف ہوتی ہیں، تاہم اس کے دعوتی کاموں میں ذکر کے انوار کی وجہ سے خیر وبرکت بے پناہ ہوتی ہے۔ منتہی صوفی کا تو اصل ہدف ہی دعوتی کام اور اور جذبہ جہاد ہی ہوتا ہے۔ وہ چونکہ نفس کے خلاف معرکہ آرائی میں بڑی حد تک کامیاب ہوچکا ہوتا ہے، اس لئے اب اس کا بیشتر وقت اخلاص کے ساتھ دعوتی وعلمی کاموں اور جہاد کے کام میں صرف ہوتا ہے۔

(۱۲۶) صوفی کی نظر میں اس دور میں اسلام کی جو نصب العینی ترتیب پیش ہوئی ہے، اس میں سلف صالحین کی پیش کردہ اسلامی نصب العینی ترتیب سے مطابقت موجود نہیں۔

جدید اسلامی مفکروں کے نزدیک اسلام کی نصب العینی ترتیب شہادت حق، اقامت دین، دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اس ترتیب میں

اصلاح نفس اور تزکیہ نفس کے کام کا یا تو خانہ خالی ہے، یا اسے جزوی اہمیت دی گئی ہے۔

جب کہ سلف صالحین کے ہاں اسلام کے نصب العینی کام میں تعلق باللہ اور تزکیہ نفس کے کام کو نصب العینی حیثیت حاصل ہے، جب کہ دین کے دوسرے کام فرائض وواجبات میں شامل ہیں، تعلق باللہ اور تزکیہ نفس کے بغیر خارجی زندگی میں دین کے لئے ہونے والی جدوجہد میں اخلاص وللھیت پیدا ہو سکے (جسے مقصود کے درجہ کی حیثیت حاصل ہے) اور معاشرہ میں صحیح اسلامی خطوط پر تعمیر کا کام ہو سکے، افراد میں سیرت وکردار کی پاکیزگی اور انسانی جوہروں سے بہرہ وری کی صورت پیدا ہو سکے، دشوار تر ہے۔ بلکہ دشوار تر سے بھی زیادہ دشوار ہے۔

صوفی اس سلسلہ میں سلف صالحین کی قرآنی تشریح کو حتمی سمجھتا ہے۔ اور اس کے اپنے نفسی تجربات بھی اس کی شاہدی دیتے ہیں۔

(۱۲۷) صوفی سمجھتا ہے کہ ہر اہل دانش واہل علم شخصیت جو سچی معرفت اور روحانیت کے مراحل سے گذرے بغیر محض ظاہری علم پر اکتفا کرے گی، وہ انسانی شخصیت میں موجود نفس کی قوت، جو ہزارہا درندوں سے بھی زیادہ قوی ہے، اس کی سنگینی کو سمجھنے میں ناکام ہوگی، جب وہ نفس کی بہیمانہ قوت ہی کو سمجھ نہ سکے گا تو لامحالہ اس کی نظر میں خارجی زندگی میں جدوجہد ہی دین کا نصب العین قرار پائے گی۔

جس سے نہ تو سلف صالحین کی دینی فکر سے مطابقت پیدا ہو سکے گی اور نہ افراد کی پاکیزہ کردار سازی کا کام ہو سکے گا۔ اخلاص، للھیت وبےنفسی کی صورت کا پیدا ہونا بھی دشوار ہوگا۔

(۱۲۸) صوفی کی نظر میں دین کے سارے کاموں میں اخلاص نیت کے کام کو فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے۔ دینی خدمت کا کام محض اللہ کے لئے ہو، نفسی قوتوں کی

موجودگی میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔ ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، ایک شخص ہے، جو اللہ کے لئے جہاد (قتال) کرتا ہے۔ اس کا بیشتر مقصود تو اللہ کی رضامندی ہے، لیکن ساتھ ساتھ اس کی کچھ خواہش یہ بھی ہے کہ اس جہاد کی وجہ سے اسے شہرت بھی حاصل ہو، کیا اس کا یہ جہاد اللہ کے ہاں قبول ہوگا، آپ نے فرمایا، نہیں، صحابی نے تین بار یہی سوال دہرایا، آپ ﷺ نے ہر بار اس کا یہی جواب دیا۔

اخلاص، للھیت وبےنفسی کے لئے نفس کے خلاف ذکر وفکر کے مجاہدوں کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں۔

(۱۲۹) افراد معاشرہ کے نام صوفی کا پیام ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ سے والہانہ محبت کے زیر اثر وہ اپنی زندگیوں میں حقیقی انقلاب برپا کریں، دنیا سے محبت کی روش کو ترک کر کے آخرت کو مقصود بنائیں۔ باطنی و روحانی بیماریوں کے علاج کی فکر کریں، اسلامی شریعت کو دستور العمل کی حیثیت دیں، جماعتی، گروہی، دائراتی، مسلکی اور قومیتی تعصّبات سے بلند ہو کر، امت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھیں، افراد امت کے ساتھ محبت، رواداری اور ایثار وقربانی کا مظاہرہ کریں۔ بنیادی انسانی جوہروں سے بہرہ ور ہو کر، معاشرہ کو معطر کریں۔

کافر اور مشرک قومیں جو کفر وشرک کی وجہ سے دائمی جہنم کے خطرات سے دوچار ہیں، ان تک دین کی دعوت پہنچانے اور اپنی پاکیزہ سیرت وکردار اور پاکیزہ اسلامی معاشرہ کے نمود کے ذریعہ ان تک دین اسلام کے اتمام حجت کے لئے کوشاں ہوں اور اس کے لئے بہتر منصوبہ بندی سے کام لیں، مادہ پرست مغربی تہذیب اور اس کے مظاہر سے متاثر ہو کر، اس کے رنگ میں رنگنے کی روش سے انکار کریں۔

اپنی اولاد اور نئی نسلوں تک دین وایمان کی منتقلی کے لئے انہیں کم از کم دین

کی ابتدائی تعلیم دیں اور روزانہ گھروں میں ذکر وفکر کے حلقہ کا اہتمام کریں، تاکہ اللہ کے انوار حسن کی شعاؤں کی وجہ سے دل وروح کی پاکیزہ بنیادوں پر تربیت کی صورت پیدا ہو سکے۔ جو افراد ظاہری اصلاح کے سلسلہ میں کامیاب ہو چکے ہیں، وہ باطنی اصلاح کی فکر کریں۔

اللہ کی محبت کے رازدانوں، حقیقی درویشوں وفقیروں کی تحقیر کی روش پر صرف نظر کریں، اس لئے کہ اللہ کے دوستوں کی تحقیر سے محبوب حقیقی سے والہانہ محبت، اس کی سچی معرفت اور دل وروح کی وسیع دنیا کے فہم اور اس تک رسائی کے رستے مسدود ہوجاتے ہیں۔ اور ان کے فیوض وبرکات سے محرومی ہوتی ہے۔

معاشرہ میں غلبہ اسلام کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لئے سب کو اپنے حصہ کا کردار ادا کرنا چاہئے، اس لئے کہ اسلامی اعتبار سے مستحکم معاشرہ کے بغیر نہ تو کافر ومشرک قوموں تک اسلام کی مؤثر طور پر دعوت پیش ہوسکتی ہے اور نہ ہی مادہ پرست عالمی سرمایہ دار کی ہمہ جہتی سازشوں سے ملت کی حفاظت کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

ملت، جب اللہ سے اپنے تعلقات استوار کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوگی تو اللہ کی نصرت ومدد اس کے ساتھ شامل ہوگی اور قرآن کے وہ وعدے اس کے ساتھ لاگو ہوں گے، جن میں فرمایا گیا ہے۔

ولو ان اهل القریٰ امنوا والتقوا لفتحنا علیهم برکاة من السمآء والارض.

(اور اگر یہ دیہاتی ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ان کے لئے زمین وآسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے)۔

صوفی کا یہی وہ پیام ہے۔ جو وہ افراد ملت کو دینا چاہتا ہے، چونکہ صوفیاء کرام عام طور قال سے زیادہ حال کے صاحب ہوتے ہیں، اس لئے وہ قال کے ذریعہ اپنی بات کو پیش کرنے سے زیادہ اپنی زندگی کا بہتر نمونہ پیش کرنے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں اور اسی حالت میں مگن رہتے ہیں، ہم نے طویل عرصہ تک صوفیاء کرام کی

صحبت کے ذریعہ ملت کی بہتری وتعمیر کے حوالے سے ان کے جو پاکیزہ احساسات وجذبات ہیں، جو وہ زبان حال سے بیان کر رہے ہوتے ہیں، انہیں تحریری صورت دی ہے۔ اللہ کرے صوفی کے اس پیام بلکہ لائحہ عمل کو دل کی گہرائیوں سے پڑھنے اور سننے کی فضا پیدا ہو۔

(۱۳۰) معاشرہ کے وہ ذہین وباصلاحیت افراد جو صوفی سے کچھ نہ کچھ استفادہ کر چکے ہیں، انہیں نوجوان نسل کو تہذیب جدید کی فریب کاریوں اور اس کی نظریاتی یلغار سے بچانے کے لئے قومی سطح پر ایک پلیٹ فارم تشکیل دینا ہوگا، جو ملت کی زار پر فکرمندی اور اس کی اصلاح کی صورتوں کے لئے بہتر منصوبہ بندی کر سکے اور اس سلسلہ میں مؤثر کردار ادا کر سکے، اس لئے کہ یہ دور اجتماعی غور وفکر اور اجتماعی کام کرنے کا دور ہے، عالمی سرمایہ دار پورے عالم اسلام کی نوجوان نسل کو سیکولر اور مغرب پرست بنانے کے لئے ہمہ پہلو وہمہ گیر منصوبہ بندی کے ساتھ کام کررہا ہے۔ اور اس کے لئے وہ غیرمعمولی ذہانت کے استعمال اور منصوبہ بندی کے ساتھ سالانہ اربہا ڈالر خرچ کررہا ہے۔ اس کا مقابلہ محض انفرادی کوششوں سے نہیں ہو سکتا، اس کے لئے صوفیاء سے استفادہ کرنے والے دردمند افراد کو منظّم ہوکر، جدوجہد کی راہ اختیار کرنا پڑے گی اور اس سلسلہ میں مشاورت، رابطے اور صلاحیتوں کے استعمال کے ساتھ ساتھ مالی وسائل کے لئے بھی کوشاں ہونا پڑے گا اور علمی ودعوتی اداروں کو مستحکم کرنا ہوگا اور میڈیا کے جدید ذرائع سے بھی کسی حد تک کام لینا ہوگا۔

حرف آخر

اس عاجز نے جن صوفیاء کرام کو قریب سے دیکھا ہے اور کتاب میں ان کے جذبات واحساسات کی ترجمانی کی کوشش کی ہے۔ وہ صوفیاء کرام اب دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں۔لیکن معاشرہ میں اب بھی اہل اللہ موجود ہیں، جن پر یہی رنگ غالب ہے، اس طرح کے مشہور علماء کرام میں مولانا سلیم اللہ خان صاحب، مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، اور مفتی محمد تقی عثمانی صاحب جیسی شخصیتیں شامل ہیں۔ جنہیں طویل عرصہ تک اکابر بزرگوں کی صحبت حاصل رہی ہے۔ اگرچہ مجھے ذاتی طور پر ان شخصیتوں سے قریب ہونے اور ان سے روحانی استفادہ کا موقعہ نہ مل سکا ہے، لیکن ان کی تقاریر سننے، ان کی کتابوں کے مطالعہ اور ان کے کام کو دیکھنے سے میرا یقین ہے کہ وہ انہی اہل اللہ میں شامل ہیں، جن کے جذبات واحساسات کی کتاب میں ترجمانی کی گئی ہے۔ ہمارے معاشرے میں اس طرح کے کافی فقیر ودرویش اور صوفی مل جائیں گے، جو غیرمعمولی مجاہدوں کے ذریعہ نفسی قوتوں کو شکست دینے اور اللہ کی رضا پر راضی رہنے کی نفسیات کے حامل ہیں۔لیکن مشہور اکابر بزرگوں کے سجادہ نشینوں میں عام طور پر حقیقی صوفی (جو حب جاہ وحب مال سے بڑی حد تک محفوظ ہوں) نظر نہیں آتے۔

ضرورت ہے کہ معاشرہ میں مادیت کے بڑھتے ہوئے اس ہولناک طوفان کو روکنے اور افراد معاشرہ کی اخلاقی حس کو بیدار کرنے کے لئے دعوتی کام کا ذوق رکھنے اور غلبہ دین کا شوق رکھنے والے افراد اہل اللہ کی صحبت سے تزکیہ نفس کی سعادت حاصل کریں، اور باطن کی وسیع دنیا کی اصلاح کی سعادت سے بہرہ ور

ہوں، اس کے بعد ہی اہل علم واہل دانش اور داعیوں کی شخصیت اسلام، ملت اور افراد معاشرہ کے لئے باعث خیر وبرکت ثابت ہوگی۔

یہ امت کا تسلسل ہے کہ اہل علم ودانش اور عام افراد اہل اللہ کی صحبتوں سے متمتع ہوکر ہی آگے بڑھے ہیں۔صلحاء امت کا تسلسل بتارہا ہے کہ اہل اللہ کی صحبت کے ذریعہ چھوٹے پن کے مراحل سے گذرے بغیر بڑے پن کے مقام پر فائز ہونا، یعنی قیادت وسیادت کے مقام پر فائز ہونا اور داعی کی حیثیت سے کام کرنا، اکثر فساد کا موجب بنتا رہا ہے، اس لئے کہ قیادت وامامت کے مقام پر اس طرح فائز ہونے سے باطن میں موجود سارا فساد ظاہر ہوکر، اہل علم واہل دانش اور داعیوں کو اپنے علاوہ دوسروں کی تردید وتغلیط کی راہ پر گامزن کرنے کا موجب بنتا ہے۔

صحبت اہل اللہ سے جب باطن کی قابل ذکر حد تک اصلاح ہوجاتی ہے تو اہل علم واہل دانش اور داعیوں کی خفتہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں، ان کی تاثیری صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان کے علم ووقت میں بھی برکت ہوتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہ معاشرہ کو اپنے علم، ذہانت، خطابت اور تحریری صلاحیتوں سے نقصان پہنچانے اور معاشرہ میں تقسیم پیدا کرنے کی بجائے امت کی وحدت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اخلاص واخلاق کی بدولت اللہ لوگوں کے دلوں میں ان کی قدر پیدا کردیتا ہے۔ اور ان کے ذریعہ افراد کی زندگیوں میں حقیقی ومعنوی انقلاب پیدا ہونے لگتا ہے۔

اہل اللہ عقل سے آگے بڑھکر دل وروح کو متاثر کرتے ہیں، جب دل اور روح میں تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے تو ہر طرح کے فتنوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوجاتی ہے اور دل وروح کی مدافعانہ صلاحیت میں غیرمعمولی اضافہ ہوجاتا ہے، جب کہ محض علمی وعقلی صلاحیتوں سے داخلی وخارجی فتنوں سے بچاؤ کی صورت بمشکل ہی

پیدا ہوتی ہے۔

اللہ کرے ہماری یہ کتاب صوفی کے حقیقی جذبات واحساسات اور ان کے دلی کیفیات، امت وافراد امت کے حوالے سے ان کی مضطربانہ حالت، زمانہ کے فتنوں سے بچاؤ کے سلسلہ میں ان کی دل کی صداؤں کو سننے کا ذریعہ ثابت ہو۔

معاشرہ میں صوفی کی حیثیت

اور اس کا اصل کردار

زیر نظر مضمون اس کتاب کے تعارف کے طور پر لکھا گیا تھا، لیکن کتاب کا نام بدل جانے کی وجہ سے اسے تعارف کے طور پر شامل کرنا نامناسب سمجھا گیا چونکہ مضمون میں کافی اہم نکات موجود ہیں، اس لئے کتاب کے آخر میں ''معاشرہ میں صوفی کا کردار اور اس کا اصل کردار'' کے نام سے مضمون شامل کیا جارہا ہے۔ **(ادارہ)**

موجودہ دور میں تصوف یا صوفی کی بات آتے ہی یا تو بزرگوں کے ان سجادہ نشینوں کی تصویر سامنے آتی ہے، جو بزرگوں کی، اللہ کے لئے ہونے والے مجاہدوں اور ان کی شہرت ومقبولیت کے نام پر ان کے جانشین بن گئے ہیں اور وڈیروں اور نوابوں کی طرح شاہانہ زندگی گذارنا، ان کا معمول ہے۔

یا پھر ذہن اس صوفی کی طرف چلا جاتا ہے، جو اسلامی شریعت سے بے نیاز ہے اور اپنے ساتھ وابستہ افراد کو بھی اسلامی شریعت سے دور لے جانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ چونکہ معاشرہ میں عام طور پر اسی صوفی اور اسی تصوف کا چلن ہے، اس لئے صوفی کا ذکر ہوتے ہی ذہن فوری طور پر اس طرح کے صوفی کی طرف چلا جاتا ہے، لیکن ہم جس صوفی کا ذکر رہے ہیں، وہ صدیوں سے امت مسلمہ کی روحانی واخلاقی تربیت کا فریضہ سرانجام دیتا رہا ہے اور جو تہذیب نفس اور تزکیہ نفس کے ذریعہ معاشرہ وریاست کو افراد کی خرابیوں اور ان کے مفاسد سے بچانے کا کردار ادا کرتا رہا ہے۔ اس طرح کا صوفی ہماری تہذیب کا حصہ اور اس کا نمائندہ وترجمان رہا ہے۔

یہ صوفی، صحابہ کرام اور تابعین کرام کے بعد امت میں موجود اس خلا کو پڑ کرتا

رہا ہے، جو اصحاب کرام اور تابعین کی نور نبوت سے سرشار شخصیتوں کی رخصتی کے نتیجہ میں معاشرہ میں پیدا ہوا ہے۔

صوفی اور تصوف کا نام اگرچہ قرآن وسنت میں موجود نہیں، لیکن صوفی کی زندگی قرآن وسنت کا زندہ نمونہ رہی ہے۔ تصوف وصوفی کی اصطلاحیں بھی ایک طرح سے حجاب بن گئی ہیں۔ لیکن چونکہ امت میں صدیوں سے تہذیب نفس کے محاذ پر کارنامے سرانجام دینے والوں کو صوفی ہی کہا جاتا رہا ہے، اس لئے مجبوری کے تحت یہی اصطلاح استعمال کی جارہی ہے۔ چونکہ امت میں یہ اصطلاح مشہور ومتعارف ہے اور صوفی کے نام کے ساتھ ہی صدیوں سے امت میں جو تصور سامنے آتا رہا ہے، وہ ایسے مزکیوں ومربیوں کا تصور ہے، جو افراد کے باطنی رزائل وخرابیوں کا علاج کرکے، معاشرہ کو ان مفاسد سے بچانے، افراد معاشرہ میں بُرائی کے خلاف مدافعانہ قوت پیدا کرنے اور معاشرہ کی اسلامی نقطہ نگاہ سے تشکیل وتعمیر کا کام کرتا رہا ہے۔

بدقسمتی سے موجودہ دور میں اس صوفی کو مسترد کرنے اور اس کے کام اور اس کی اہمیت سے انکار کی روش مستحکم ہوگئی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ معاشرہ میں نفس پرستی کی قوتیں غالب ہیں۔

موجودہ دور میں فتنوں کے غیرمعمولی غلبہ کی وجہ سے پہلے کے مقابلہ میں اس بات کی زیادہ ضرورت تھی کہ صوفی کی صحبت کے ذریعہ اپنے دین وایمان کے تحفظ کی صورت پیدا ہو اور اس کی صحبت کے زیر اثر عالمگیر نوعیت کے فتنوں کے مقابلہ میں باطن میں مزاحمانہ قوت پیدا ہو، لیکن کچھ تو تصوف کے نام پر دکاندارانہ کی روش، کچھ جدیدیت کی فکری لہریں، جس کے تحت جو چیز عقل کی سمجھ سے نہ آئے، اس کا انکار کیا جائے، کے اثرات، کچھ اہل تصوف کو اس کے صحیح پس منظر میں نہ سمجھنے کی

اداؤں، کچھ غلط فہمیوں اور کچھ تصوف دشمنی کی روش کی وجہ سے اس وقت معاشرہ میں اہل تصوف اور صوفی سے دوری کی روش غالب ہے، اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو کہ اس وقت معاشرہ میں بمشکل ایک فیصد افراد ایسے ہیں، جو اصلاح نفس، تہذیب نفس اور ضبط نفس کے کام کو فیصلہ کن اہمیت دیتے ہوں اور اس کے لئے صوفی کی صحبت کو ناگزیر سمجھتے ہوں۔ جب کہ ۹۹ فیصد افرادِ معاشرہ عملا اصلاح نفس کے عظیم کام کے لئے ذکر وفکر کے مجاہدوں کے لئے تیار نہیں ہیں۔ جب معاشرہ میں تہذیب نفس جیسے فیصلہ کن کام کے سلسلہ میں ۹۹ فیصد افراد کی یہ حالت ہو تو وہ معاشرہ نفسی خرابیوں کی وجہ سے جس ہولناک اور ہمہ گیر فساد سے دوچار ہوسکتا ہے، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

صوفی (جسے صلحاء امت کے ترجمان ونمائندہ کی حیثیت حاصل ہے)۔ اس کی نظر میں جس طرح مادی علوم کا پورا کورس ہے یا دینی تعلیم کا پورا نصاب ہے۔ اسی طرح تہذیب نفس اور تزکیہ نفس کا بھی ایک مسلسل عمل ہے۔ اور نفس کے بتدریج ارتقائی مراحل سے گزرنے اور نفس امارہ سے نفس مطمئنہ تک کی منازل طے کرنے کے لئے پورا کورس ہے، جو ذکر وفکر کے مجاہدوں اور صحبتِ مسلسل سے تعلق رکھتا ہے۔ مجاہدوں کے ان مراحل اور اس کورس سے گذرے بغیر عام طور پر نفس کی حیوانی وجبلی قوتوں کا ادراک ہی مشکل ہے۔

اس مسئلہ کو جب ہم مسلم امت کے تاریخی پس منظر میں دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا جو تسلسل ہم تک پہنچا ہے، اس میں علمائے ربانیین اور صوفیاء کرام کا سب سے اہم کردار رہا ہے۔ اب اس تسلسل کے ٹوٹنے اور مادیت کے سیلاب میں تنکوں کی طرح بہتے چلے جانے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اول تو تہذیب نفس اور تزکیہ نفس جیسے سب سے مشکل کام کی ضرورت واہمیت کا احساس موجود نہ رہا

ہے، اگر کسی حد تک احساس موجود بھی ہے تو اس کے لئے اہل اللہ سے رجوع ہونے کی بجائے اس سے انکار کی روش غالب ہے۔

ان حالات میں ضرورت تھی کہ صوفی کے اصل کردار کو اجاگر کیا جائے، اس کے بارے میں موجود غلط فہمیوں کو دور کیا جائے اور اہل اللہ کے صحیح احساسات وجذبات کی عکاسی ہو ہماری یہ کتاب اسی سلسلہ کی اہم کڑی ہے۔

موجودہ دور میں دنیا اس خوبصورتی اور سجاوٹ سے سامنے آئی ہے کہ دنیا کی زیب وزینت سے اپنے ایمان کو بچانا سب سے دشوار تر کام ہوگیا ہے اور موجودہ دجالی تہذیب کی سب سے نمایاں ''خصوصیت'' یہ ہے کہ دولت، عالمی ساہوکار کے پاس سمٹ کر آئی ہے، عالمی ساہوکار نے اپنے خالص مادی مقاصد اور مادہ پرست تہذیب کے فروغ کی خاطر پوری دنیا میں صنعتکاروں اور حکمرانوں کے ذریعہ اپنے نمائندے کھڑے کردیئے ہیں، دجالی تہذیب کے یہ مقامی نمائندے دولت کی ہڈیاں پھینک کر، باصلاحیت افراد کے دین وایمان کو خریدنے کے لئے کوشاں ہیں۔ آزاد سوسائٹی کا نعرہ لگا کر دین ومذہب سے آزادی اور تہذیب جدید کی راہ پر لگانے کی کوششیں تیزی سے جاری ہیں، ان حالات میں دین وایمان کی بہتر اور مؤثر صورت صوفی کی خانقاہ ہے، جہاں تربیت نفس اور تہذیب نفس کا کام ہوتا ہے، جہاں صبر وشکر اور تھوڑے پر راضی رہنے کی نفسیات پختہ ہوتی ہے۔ جہاں اللہ کی محبت اور ذکر وفکر کی برکت سے مادی قوتوں سے مرعوب نہ ہونے اور خوشحال مادی زندگی سے دستبرداری کا رضاکارانہ طور پر مزاج مستحکم ہوتا ہے، جہاں دنیا کی چند دنوں کی زندگی کی بجائے آخرت کی تیاری اور آخرت میں اللہ کے عذابِ شدید سے بچنے کی فکر غالب ہوتی ہے، جہاں اللہ کے ذکر کی بدولت پاکیزہ احساسات کی زندگی عطا ہوتی ہے، ایسی زندگی، جس پر ساری دنیا کی دولت بھی نچھاور کی جاسکتی ہے اور جہاں دنیا

کی ہڈیوں پر فریفتگی کی ادائیں کالعدم ہوجاتی ہیں۔

صوفی کی جس خانقاہ اور جس صحبت کے یہ اثرات ہوں (جس کی تفصیل کتاب میں بیان کی گئی ہے) اس صوفی سے گریزاں ہونا، اس کی صحبت کو غیر اہم سمجھنا، سب سے زیادہ محرومی کی بات ہے۔ ایسی محرومی، جس سے سینکڑوں مصائب واذیتیں اور مسائل وابستہ ہیں۔

(۲)

ہمارے اس دور کی سب سے بڑی خرابی یا المیہ یہ ہے کہ لگ بھگ ہر شخص بڑے پن کی نفسیات میں جینے لگا ہے۔ اس نفسیات کے غلبے کی وجہ سے معاشرہ میں ہر جگہ اور ہر سطح پر ٹکراؤ، فساد، خلفشار اور انسان آزاری کی روش غالب ہے۔ بڑے پن کی اس نفسیات کی وجہ سے افراد کی زندگیاں زہریلی ہوگئی ہیں اور سکون رخصت ہوگیا ہے۔ دولت کی چاہت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا ہے، دولت اس لئے مقصود ہے، تاکہ بڑے پن کی نفسیات کے حامل افرادِ معاشرہ کا ساتھ دیا جاسکے اور اس گروہ میں شامل ہونے کی صورت پیدا ہوسکے۔

ان حالات میں حقیقی صوفی کی زندگی ایسی ہے، جو ان ساری خرابیوں سے پاک اور سکون وسکینت اور نفس مطمئنہ کی زندگی ہے اور اس کی شخصیت انسانی درد سے سرشار ہے۔ صوفی کی خانقاہ سے فرد کو ایک پیام ملتا ہے، اس پیام کو سننے کے لئے دل کے کانوں اور دل کی آنکھوں کی بیداری کی ضرورت ہے۔ بدقسمتی سے ہم اپنی سیاہ کاریوں سے دل کی آنکھوں پر پردہ ڈال چکے ہیں۔ اس لئے صوفی کی دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی یہ صدائیں ہمیں سنائی نہیں دیتی۔

اس عاجز کو ۱۷ سال تک اس دور کے عظیم صوفی عصر حاضر کے غلام مصطفیٰ کی صحبت کا شرف نصیب ہوا، بعض دوسرے صوفیاء سے بھی قریب ہونے کا موقعہ ملا،

ان کی صحبت سے روزانہ جو صدائیں ان کی دل سے سنیں، دل نے چاہا کہ انہیں قلمبند کیا جائے، تاکہ جدید انسان، جو صوفی کو دنیا اور اس کے تقاضوں سے ناآشنا اور سادہ لوح سمجھتا ہے، اس تک انسانیت کے حوالے سے صوفی کا پیام پہنچ سکے، اس کا درد معلوم ہو سکے، اور موجودہ دور کے غم زدہ انسان کے غم سے نکلنے کی صورت پیدا ہو سکے۔

کتاب میں صوفی کے جن پاکیزہ احساسات کی ترجمانی کی گئی ہے، وہ متعدد صوفیاء کی قریب سے صحبت کے نتیجہ میں ان کے دلوں سے سنی گئی آوازیں ہیں۔

صوفیاء کے حقیر عقیدتمند کی حیثیت سے یہ عاجز آرزومند ہے کہ کاش ان کے پاکیزہ احساسات کا معمولی حصہ اس عاجز کو بھی حاصل ہو تو بڑی سعادت حاصل ہوگی۔

(۳)

معاشرہ کو جو مسائل درپیش ہیں۔ وہ بیشتر مسائل پاکیزہ اخلاقی قدروں کے بحران اور روحانی احساسات کی عدم تسکین کا نتیجہ ہیں۔ انسان جو حقیقت میں روح سے عبارت ہے، جب روح بے چین ہوتی ہے تو دل، عقل، نفسیات اور سارا مادی وجود اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

ذہنی دباؤ، اشتعال، دولت کے انبار جمع کرنے کا جنوں، انسان بیزاری کی روش، دوسروں کی تحقیر، بڑے پن کا مظاہرہ، سنگ دلی، حریفوں کو مٹانے کی آرزوئیں اور اس کے مظاہر، غریبوں کی مدد سے انکار کی، روش دولت کا خاص طبقہ میں ارتکاز، رشوت، بدعنوانی وغیرہ جیسے سارے مسائل روح کی اس تشنگی کا نتیجہ ہیں، جو اسے اس کی اصل غذا نہ دینے کی وجہ لاحق ہیں۔

کتاب میں اس سلسلہ میں تفصیل سے صوفی کے احساسات وجذبات پیش

کر کے افراد معاشرہ کو بحرانوں اور مسائل کی پیچیدگیوں سے نکلنے کی راہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ کتاب کوئی تصوف کی روایتی کتاب نہیں ہے بلکہ افراد معاشرہ کے حالات کے عکس پر مشتمل ہے، جو صوفی کے آئینہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کتاب کو تصوف کی کتاب سمجھکر نظر انداز کرنا محرومی کی بات ہے اور معاشرہ کے مسائل کے بنیادی محرکات کو سمجھنے سے انکار کی روش کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے کہ ہم حقیقی صوفی کی دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی صداؤں کو صاف دلی سے سنیں اور اپنی نفسی خرابیوں سے معاشرہ کو پہنچنے والے نقصان سے بچائیں۔

صوفی اس بات پر زور دیتا ہے کہ جہاں عقل کی حدیں ختم ہوتی ہیں، وہاں دل کے حدیں شروع ہوتی ہیں۔ ایمان کا مرکز، اللہ سے والہانہ محبت کا مرکز اور، اخلاص وتقویٰ کا مرکز دل ہے۔

قالت الاعراب آمنا قل لن تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم.

(یہ بدوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، ان سے کہو کہ تم ایمان نہیں لائے، بلکہ تم یہ کہو کہ ہم نے اسلام قبول کیا ہے، ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا)۔

ہم میں سے اکثر افراد کی حالت قرآن کی اس آیت کے مصداق ہوتی ہے کہ اسلام پر کسی حد تک عقلی اطمینان تو موجود ہوتا ہے، لیکن دل کی گہرائیوں میں ایمان کو داخل کر کے، تقویٰ، خشیت، اخلاص، للھیت، اخلاق حسنہ اور آخرت پر ہر وقت کے کھٹکے والی حالت سے محرومی ہوتی ہے۔

اس حالت میں اسلام کا جب بھی کوئی مطالبہ سامنے آتا ہے تو ہماری شخصیت اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کرتی ہے، مثلا اسلام کہتا ہے کہ حب جاہ وحب مال سے دستبردار ہو، سارا دن مال کمانے کی فکر سے آزاد ہو، جب نفس، تکبر

اور انانیت کا مظاہرہ کرے تو اسے شکست دو اور عاجزی کی راہ اختیار کرو، جب بھی اشتعال کا شیطان غالب ہو تو غصہ سے بے قابو نہ ہوجاؤ، روزمرہ زندگی میں اس طرح کے بیسیوں واقعات پیش آتے رہتے ہیں، لیکن دل کی گہرائیوں میں ایمان کی حلاوت اور اس کی توانائی کے فقداں کی وجہ سے ہم اس طرح کے اکثر مواقع پر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں ناکام رہتے ہیں۔

سبب یہ ہے کہ زندگی بھر رسمی اسلام اور عقلی اسلام پر چلتے رہنے کے نتیجہ میں ہم دل کو ایمان کے لئے متحرک کرنے کی حلاوت سے آشنا نہیں، اور المیہ کی بات یہ ہے کہ ہم دل کی ایمانی صلاحیتوں کو بیدار سے بیدار تر کرنے کی راہ اختیار کرنا ہی نہیں چاہتے، اس لئے کہ عقل محض نے ہماری شخصیت پر اتنا قابو پالیا ہوتا ہے کہ ہم دل کی سلامتیٔ ایمان کے کام کو یا تو کام ہی نہیں سمجھتے یا اس کام کو دشوار سمجھکر کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

ہم زیادہ سے زیادہ کبھی کبھار درس قرآن اور وعظ ونصیحت کی مجلسوں میں شرکت کرنے اور دین کی کچھ کتابیں پڑھنے پر اکتفا کرنے ہی کو حفاظت اسلام کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

دل کی ایمان کی حلاوتوں سے ناآشنائی کا نتیجہ ہے کہ اچھی سی اچھی تقریریں سننے کے بعد جب ہم تقاریر کے ماحول سے باہر آتے ہیں تو حب جاہ وحب مال کے وہی پرانے اثرات ہم پر غالب آجاتے ہیں۔ اور لچھے دار تقاریر کا اثر دوچار گھنٹے بھی قائم نہیں رہتا۔

حقیقت یہ ہے کہ دل، ایمان کی گہرائیوں سے اللہ سے والہانہ محبت کے ذریعہ ہی آشنا ہوسکتا ہے۔ **والذین آمنوا اشد حب لله.** اللہ کی یہ محبت اللہ والوں کی صحبت سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

صحبتِ اہل اللہ کے بغیر دل تقویٰ، خشیت، للھیت، اور فکر آخرت سے ہمہ وقت سرشار ہوجائے اور دنیا کی چند روزہ زندگی کے مقابلہ میں ابدالاباد کی زندگی کی فکر غالب آجائے، انتہائی مشکل بات ہے۔ اس کے لئے نفسی قوتوں سے معرکہ آرائی کرنی پڑتی ہے۔

لچھے دار گفتگو کی چاشنی سے آگے بڑھکر ہمیں سلامتیٔ دل اور قلب سلیم کی راہ

اختیار کرنی پڑے گی۔ جو اللہ سے والہانہ محبت کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

اس کے بغیر فرد وافراد زندگی بھر دوراہے پر کھڑے رہیں گے، عقل کو دین وایمان کی کسوٹی بنانے کا نتیجہ حکمت اور فراستہ مؤمنہ سے محرومی ہی ہوتی ہے۔ اس محرومی سے بچنے کی واحد صورت یہی ہے جس کا ذکر کیا گیا۔

جب دل، ایمان کی حلاوتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے تو زندگی کے سارے رخ ازخود تبدل ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ انسانیت کا حقیقی درد پیدا ہونے لگتا ہے، زندگی، اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونے لگتی ہے۔ سکون وسکینت کی زندگی عطا ہوتی ہے۔ خشیت، رقت، سوزوساز اور پاکیزہ ایمانی کیفیات نصیب ہوتی ہیں۔ عقل بیچارہ کی تو حالت یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کے فہم اور ادراک سے ہی قاصر ہے۔ ایسی عقل، جو ایمان کی حلاوتوں کا ادراک ہی نہ کرسکے، اہل علم واہل دانش کی طرف سے زندگی بھر حقیقی اسلام اور ایمان سے بہرہ وری کے لئے اسی پر اعتماد کرنا، نہ صرف سادگی ہے، بلکہ نادانی ہے، نادانی۔

موجودہ دور میں عقلیت پرستی یا فریب عقلیت کی یہ ہمہ گیر وبا دراصل جدیدیت کا تحفہ ہے، جو جدید مغربی تعلیمی اداروں سے افراد کو ورثہ کے طور پر ملتا ہے اور زندگی بھر عام طور پر اس سے جان خلاصی کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

قرآن کو، ایمان کو اور نفسی بیماریوں کو غرض کہ ہر چیز کو سمجھنے کا پیمانہ جب دل کی بجائے عقلِ محض بن جائے تو یہی حشر ہوتا ہے، جو اس وقت ہمارا ہے کہ ملی زندگی کا ہر شعبہ تباہی سے دوچار ہے۔ عقل کی تو عام طور پر حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ نفسی قوتوں کا یرغمال شدہ ہوتا ہے۔ وہ منفی عادتوں کا اسیر ہوتا ہے۔ دل کی صلاحیتوں کی بیداری کے بغیر عقل، نفسی قوتوں سے آزاد ہوکر سوچ سکے، ممکن ہی نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس اہم نکتہ کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔